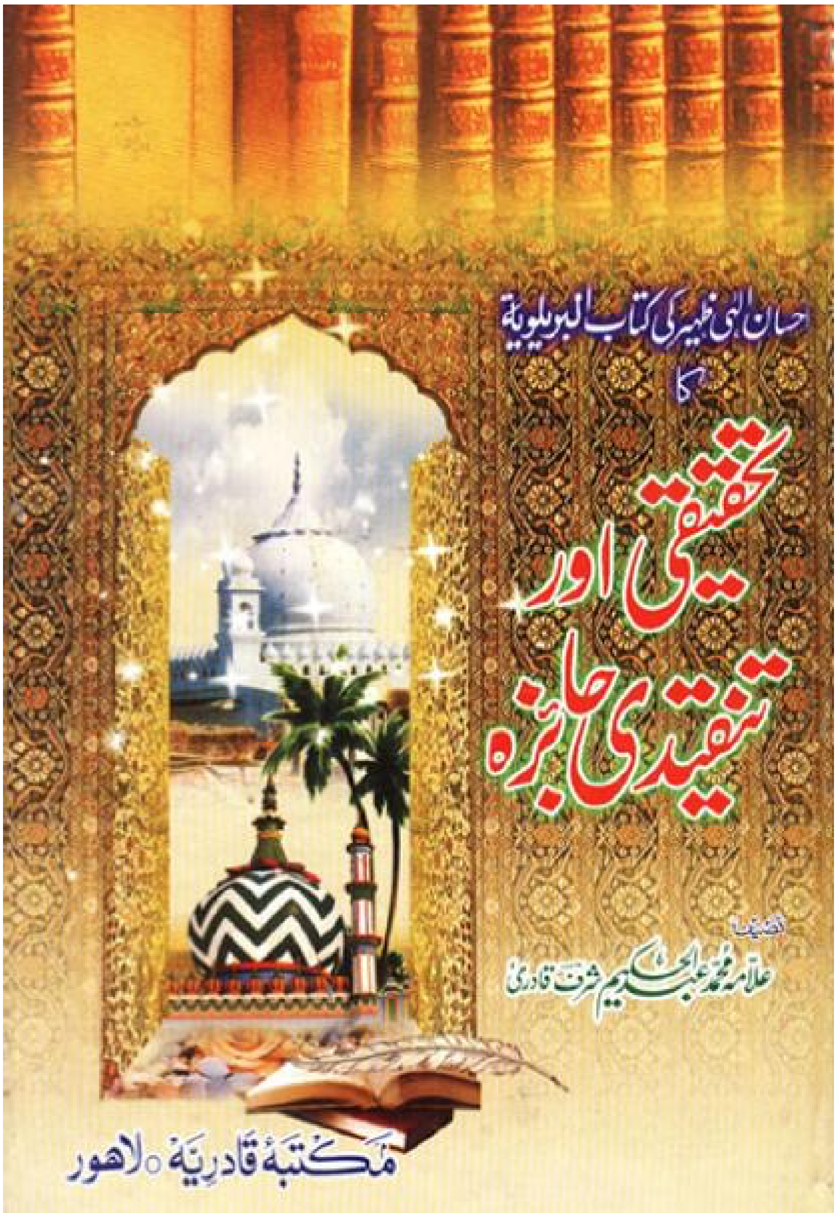

احسان الٰہی ظہیر کی کتاب البریلویۃ
کا

تحقیقی اور تنقیدی جائزہ

تصنیف
علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری

مکتبہ قادریہ ٭ لاہور

باب دوم

غیر مقلدین کی انگریز نوازی تاریخ کے آئینے میں

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

شیشے کے گھر

علماء اہل سنت و جماعت کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اربابِ اقتدار کی چوکھٹ پر جبہ سائی کو اپنے دینی منصب اور مقام کے خلاف سمجھتے ہوئے ہمیشہ اس سے مجتنب رہے۔ وہ غیر مسلم حکمران تو کجا مسلمان سلاطین اور نوابوں سے بھی تعلق خاطر رکھنے کے روادار نہ ہوئے۔ ایک دفعہ امام احمد رضا خاں بریلوی سے ریاست نانپارہ کے نواب کی شان میں قصدیہ لکھنے کی فرمائش کی گئی تو آپ نے حضور سید عالم ﷺ کی شان میں ایک نعت لکھی اور مقطع میں فرمایا

کروں مداِ اہل دُول رضاؔ، پڑے اس بلا میں میری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا، میرا دین پارۂ ناں نہیں

ایسے بے نفس اور پیکر ورع وتقویٰ حضرات کا انگریزی حکومت سے راہ ورسم رکھنے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے خوشامد اور تملق سے کام لینے کو کوئی انصاف پسند دیانت دار تصور بھی نہیں کرسکتا یہی روایت آج تک جاری ہے۔

پیش نظر مقالہ میں علماء اہل حدیث کی فکری اور سیاسی تاریخ کا ایک حصہ پیش کیا گیا ہے۔ احسان الٰہی ظہیرؔ کی طرح خودساختہ نتائج اخذ نہیں کیے گئے، بلکہ ان کی کتابوں کے اقتباسات من وعن پیش کردیے گئے ہیں۔ مقام حیرت ہے کہ اتنا کمزوراور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر مقلدین، علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ کچھ عرصہ سے انہوں نے اتہام پردازی کی مہم چلا رکھی ہے، اس لیے انہیں آئینہ دکھانے کی ضرورت محسوس کی گئی۔ اس مقالہ کے مطالعہ کے بعد قارئین یہ محسوس کیے بغیر نہیں

رہ سکیں گے کہ ان پر ’’شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی‘‘ کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے۔

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ، حماقت تو دیکھیے

اہل حدیث کی وہابیت سے نفرت

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ اہل حدیث آج تک وہابیت سے نفرت اور بیزاری کا اعلان کرتے رہے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے گورنمنٹ برطانیہ سے بڑی کوششوں کے بعد وہابی نام کی جگہ اہل حدیث منظور کرایا۔ ذیل کے چند اقتباسات اس حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

’’ہند کے لوگوں کو وہابیہ نجدیہ سے نسبت دینا کمال نادانی اور نہایت بے وقوفی اور صریح غلطی ہے۔‘‘

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۴)۔

اس الزام کو رد کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

’’اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن و حدیث پر عامل ہیں، ان کا نام اہل سنت و جماعت ہے نہ وہابی۔۔۔ اور ہندوستان کے اکثر مسلمان سنی مذہب رکھتے ہیں، نہ مذہب حنبلی۔۔۔ اور علماء اسلام نے جہاں تعداد بہتر فرقوں اس امتِ اسلام کی لکھی ہے اور نام بنام ان کو گنا ہے، ان میں کہیں کسی جگہ کسی فرقہ کا نام وہابیہ نہیں بتلایا اور یہ بھی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو دین قدیم اسلام میں کوئی نئی راہ و طریقہ یا جدید مذہب و فساد کی بات نکالے، اس کا نام بدعتی اور ہوائی ہے اور وہ دوزخیوں میں ہے، پھر کس طرح کوئی سچا مسلمان کسی نئے طریقے نکالے ہوئے پر چل سکتا ہے اور وہ کب کسی لقب جدید کو اپنے لیے پسند کرلے گا۔‘‘

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۴)

غور کیجیے نواب صاحب کتنی صراحت کے ساتھ کہہ گئے ہیں کہ وہابی نجدی سچے مسلمان نہیں، بلکہ دوزخی ہیں، اس کے علاوہ حنبلیوں کے سنی ہونے کی بھی نفی کر گئے ہیں۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والا جریدہ ’’اشاعۃ السنۃ‘‘ تمام اہل حدیث کا ترجمان رہا ہے، اس میں لکھا ہے:

’’اہل حدیث کو وہابی کہنا لائبل (مزید حیثیت) ہے۔ (اشاعۃ السنۃ: ج ۱۰، شمارہ ۲، ص ۱۰ (حاشیہ)۔

نیز لکھا:

”وہابی باغی ونمک حرام“۔ (اشاعۃ السنۃ: ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۳۴ (حاشیہ))۔

”وہابی کا لفظ اس لیے بھی غلط تھا کہ یہاں کے اہل حدیث کو نجد کے وہابیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اہل نجد حنبلی ہیں۔ اہل حدیث کسی امام کے مقلد نہیں، لیکن انگریزوں نے انہیں زبردستی کہنا شروع کیا، اس کے خلاف جتنی کوششیں ہوئیں، وہ بالکل درست تھیں“۔

(غلام رسول مہر: افاداتِ مہر (مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی) شیخ غلام علی، لاہور، ص ۲۳۶)

مگر آج کے اہل حدیث بڑے فخر سے اپنا تعلق وہابیت اور محمد بن عبدالوہاب نجدی سے جوڑ رہے ہیں، آخر کیوں، سوائے اس کے کیا کہا جاسکتا ہے کہ نجدی ریالوں کی چمک دمک اپنی جانب کھینچ رہی ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے:

حب الدنيا راس كل خطيئة

ذرا افراطِ عقیدت دیکھیے: مجدد الدعوة السلفية فی شبه الجزيرة و امام اهل التوحيد محى السنۃ قاطع الشرك و البدعة شيخ الاسلام محمد بن عبدالوهاب۔ (ظہیر:)۔

ایک ایک لفظ میں ریالوں کی کھنک محسوس کی جاسکتی ہے۔

۷/ ذیقعدہ ۱۴۰۵ھ

۲۶/ جولائی ۱۹۸۵ء شرف قادری

بسم الله الرحمن الرحيم

انگریزی دور---زمانۂ ترقی

متحدہ پاک و ہند میں انگریز کی آمد تک تمام مسلمان سنی حنفی مسلک سے وابستہ تھے۔ سلاطین بھی اکثر و بیشتر حنفی تھے، البتہ بعض بادشاہوں نے نئی راہیں اپنانے کی کوشش کی، مگر انہیں عامۃ المسلمین کی تائید وحمایت حاصل نہ ہوسکی۔ بعض مقامات پر فقہ جعفری پیروکار بھی پائے جاتے تھے، کہیں کہیں فقہ شافعی پر عمل کرنے والے بھی موجود تھے، اکثر احناف ہی کی تھی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

''خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اورر فاضل، قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔''

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۰)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کمتر اہل حدیث ہیں''۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

جب سے اس سرزمین پر انگریز کے منحوس قدم آئے، تو دین و مذہب سے آزادی اور بے راہروی کی رو بھی چل نکلی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث لکھتے ہیں:

''اے حضرات! یہ مذہب سے آزادی اور خودسری و خوداجتہادی کی تیز ہوا یورپ سے چلی ہے وار ہندوستان کے ہر شہر و بستی و کوچہ و گلی میں پھیل گئی ہے، جس نے غالباً ہندوؤں کو ہندو اور مسلمانوں کو مسلمان رہنے نہیں دیا۔ حنفی اور شافعی مذاہب کا تو کیا پوچھنا ہے۔''

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۵)

آزادروی کی یہ ہوا اتفاقاً نہیں چلی تھی، بلکہ اس میں انگریزی حکومت کی منشا بھی شامل تھی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

''فرمانبروایانِ بھوپال کو ہمیشہ آزادگیٔ مذہب میں کوشش رہی جو خاص منشا گورنمنٹ انڈیا کا ہے۔۔۔۔ دولتِ عالیہ برٹش نے اس معاملہ میں قدیماً وحدیثاً ہر جگہ انصاف پر نظر رکھی ہے، کسی جگہ مجرد تہمت وافتراء پر کاروائی خلافِ واقع نہیں فرمائی، بلکہ اشتہار آزادی مذہب جاری کیے۔''

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیت (مطبع محمدی، لاہور) ص ۳)

مزید لکھتے ہیں:

''اگر کوئی بدخواہ و بداندیش سلطنت برٹش کا ہوگا، تو وہی شخص ہوگا جو آزادگیٔ مذہب کو ناپسند کرتا ہے اور ایک مذہب خاص پر جو باپ دادوں کے وقت سے چلا آتا ہے، جما ہوا ہے۔''

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیت (مطبع محمدی، لاہور) ص ۵)

خاص طور پر حنفی، شافعی وغیرہ مذاہب سے آزادی کے بارے میں لکھتے ہیں: ''یہ آزادگی ہماری مذاہبِ جدیدہ سے عین مراد قانونِ انگلشیہ ہے۔''

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ (مطبع محمدی، لاہور) ص ۲۰)

ملکہ وکٹوریہ کے جشنِ جوبلی پر غیر مقلدین کی طرف سے جو ایڈریس (سپاسنامہ) پیش کیا گیا، اُس کی ایک شق یہ تھی:

''وہ خصوصیت ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ ان کو اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے''۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹: شمارہ ۷: ص ۲۰۶)

مولوی محمد حسین بٹالوی، حکومت کے ''وہابی'' کی بجائے اہل حدیث نام الاٹ کرنے پر شکریہ ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فرقہ اہل حدیث، گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے ہر دل عزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ وائسرائے لارڈ ڈفرن اور اپنے پیارے اور رحم دل اور فیاض لیفٹیننٹ گورنر سر چارلس ایچی سن کا تہ دل سے شکر گزار ہے اور بعوض وشکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخواص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اُٹھا رہا ہے)''۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹: شمارہ ۷: ص ۲۰۳)

ایک جگہ تو پوری صراحت کے ساتھ غیر مقلدین کی آزادی روی کو انگریزی حکومت کے اشارۂ ابرو کا مرہون منت قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ لوگ (غیر مقلدین) اپنے دین میں وہی آزادگی برتتے ہیں، جس کا اشتہار بار بار انگریزی سرکار سے جاری ہوا ہے۔ خصوصاً دربارِ دہلی میں جو سب درباروں کا سردار ہے۔۔۔۔ یہ آزادگی سرکار برٹش کو یا ان کو جو اس حکومت میں اظہار اپنی آزادگی مذہب خاص کا کرتے ہیں، مبارک رہے، اب تامل کرنا چاہیے کہ دشمن

سرکار کا وہ ہوگا جو کسی قید میں اسیر (مقلد) ہے یا وہ ہوگا جو آزاد وفقیر (غیر مقلد) ہے"۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص۳)

محمد حسین بٹالوی اپنے فرقے کا تعلق تمام سلف صالحین سے قطع کر کے صرف نبی اکرم ﷺ کا مقلد ہونا ظاہر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"یہ فرقہ اہل حدیث بجز پیغمبر ﷺ کسی صحابی (ابوبکر، عمر فاروق، علی مرتضیٰ، عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کسی تابعی (حسن بصری، زہری، سعید بن المسیب وغیرہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم) کسی امام (ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی صوفی (جنید بغدادی، شیخ عبدالقادر جیلانی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کسی مولوی زندہ یا مردہ کا محض مقلد نہیں ہے اور اسی وجہ سے اس گروہ کا نام ان کے مخالفوں نے لامذہب وغیرہ مقلد رکھا ہوا ہے۔"

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ۳، ص۷۲)

گویا صراط الذین انعمت علیھم والا صراط مستقیم فرسودہ ہو چکا تھا، اس لیے نئے راستے کی ضرورت پیدا ہوئی۔

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس فرقہ کے نو پیدا ہونے کی شہادت دیتے ہیں:

فقد نبتت فی ھذاالزمان فرقۃ ذات سمعۃ ورياء تدعی لانفسھا علم الحدیث والقراٰن والعمل بھما علی العلات فی کل شان مع انھالیست فی شیئی من اھل العلم والعمل والعرفان۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: الحطہ: اسلامی اکیڈمی، لاہور: ص۱۵۲)

"اس زمانہ میں نمائش اور ریا کا عادی فرقہ پیدا ہوا ہے جو اپنے علاتی بھائیوں (احناف) کے مقابل حدیث وقرآن کے علم اور ہر معاملے میں قرآن وحدیث پر عمل کا دعویٰ کرتا ہے، حالانکہ علم، عمل اور معرفت میں ان کا کوئی مقام نہیں ہے"۔

میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبدالخالق فرماتے ہیں:

"سو بانی مبانی اس طریقہ احداث (غیر مقلدین) کا عبدالحق ہے جو چند روز سے بنارس میں رہتا ہے"۔

(عبدالخالق، مولانا: تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص ۳)

مولوی محمد شاہ شاہجہانپوری جو خود غیر مقلد ہیں، لکھتے ہیں:

”کچھ عرصہ سے ہندوستان میں ایک ایسے غیر مانوس مذہب کے لوگ دیکھنے میں آرہے ہیں جس سے لوگ بالکل ناآشنا ہیں، پچھلے زمانہ میں شاذ ونادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں، مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے، بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔“

اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے۔

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (ابوحنیفہ اکیڈمی، فقیر والی) ص ۱۶-۱۵ بحوالہ الاشاد الیٰ سبیل الرشاد، ص ۱۳)

تقلید ائمہّ اور اجماع کا انکار

ہندوستان کے مسلمانوں کی عظیم اکثریت مذہبِ حنفی سے وابستہ تھی۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

”اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعے اور کمتر اہل حدیث ہیں۔“

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

ایسے عالم میں تشکیک کی فضا قائم کرنا اور عامۃ المسلمین کو ائمہ دین کی پیروی سے منع کرنا، وحدتِ ملی کے ختم کرنے کی جانب پہلا قدم تھا، غیر مقلدین کے پہلے امام شاہ اسمٰعیل دہلوی لکھتے ہیں:

”اس زمانے میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں۔ کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی (اجتہاد) سے نکالی ہیں، سند پکڑتے ہیں اور سب سے بہتر راہ یہ ہے کہ اللہ ورسول کے کلام کو اصل رکھئے اور اس کی سند پکڑیئے۔“

(اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ۳)

حالانکہ حقیقت صرف اتنی ہے کہ مقلدین قرآن وحدیث کے ان احکام پر عمل کرتے ہیں جو ائمہ دین نے بیان کیے جن کے علم وفضل اور تقویٰ ودیانت پر تمام دنیا کے مسلمان متفق ہیں، جبکہ غیر مقلدین براہِ راست قرآن

وحدیث سے احکام حاصل کرنے اور اجتہاد کے مدعی ہیں ان غیر مقلدین کو قرآن وحدیث کے فہم میں ائمہ مجتہدین سے کیا نسبت؟ جن کی جلالت اور ثقاہت پر دنیا کے تمام مسلمان متفق ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فازاكان جاهل فى بلاد الهند اوبلا دما وراء النهر وليس هناك عالم شافعى ولاما لكى ولا حنبلى ولا كتاب من كتب هذه المذاهب وجب عليه ان يقلد لمذهب ابى حنيفة ويحرم عليه ان يخرج من مذهبه لا نه حينئذ يخلع ربقة الشريعة ويبقى سدا مهملا۔ (ولی اللہ، محدث دہلوی، شاہ: الانصاف (مکتبہ ایشیق استانبول) ص ۲۲)

”جب ہند اور ماوراء النہر کے شہروں میں کوئی بے علم شخص ہو اور وہاں کوئی شافعی، مالکی اور حنبلی عالم نہ ہو اور ان مذاہب کی کوئی کتاب بھی نہ ہو تو اس پر امام ابوحنیفہ کے مذہب کی تقلید واجب ہے اور اس پر حرام ہے کہ امام کے مذہب کو ترک کرے، کیونکہ وہ اس وقت شریعت کا قلادہ (گلے سے) اتار پھینکے گا اور بے کار اور مہمل رہ جائے گا۔“

چھوٹا منہ اور بڑی بات

نواب صدیق حسن خاں اپنے زمانہ کے مدعیانِ علم کے بارے میں لکھتے ہیں، اس سے واضح ہو جائے گا کہ عالم کون ہے اور بے علم کون؟

ان قصارٰى نظر ابناء هٰذا االزمان فى علم الحديث فى مشارق الانور فان ترفعت الى مصابيح البغوى ظنت انها تصل الى درجة المحدثين وما ذاك الالجهلهم بالحديث بل لوحفظهما عن ظهر قلب وضم اليهما من المتون مثلهما لم يكن محدثا (حتّى يلج الجمل فى سم الخياط) وانما الذى يعده اهل الزمان بالغا الى النهاية وينا دونه محدث المحدثين وبخارى العصر من اشتغل بجامع الاصول لابن الا ثير مع حفظ علوم الحديث لا بن الصلاح اوِ التقريب للنووى الاانه ليس فى شيئى من رتبة المحدثين۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی: الحطہ، ص ۱۵۲)

”علم حدیث میں ہمارے معاصرین کی نظر زیادہ سے زیادہ مشارق الانوار تک ہے اور اگر وہ امام بغوی کی

مصابیح تک پہنچ جائیں، تو اس زعم میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ وہ درجۂ محدثین تک پہنچ گئے ہیں، حالانکہ وہ اگر ان دونوں کتابوں کو زبانی یاد کرلیں اور ان کے علاوہ دیگر متون بھی حفظ کرلیں تو وہ محدث نہیں ہوں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے سوراخ میں داخل ہو جائے۔

ہمارے معاصرین جسے انتہا کو پہنچا ہوا شمار کرتے ہیں اور اسے محدثوں کا محدث اور بخاریٔ عصر کہتے ہیں وہ ہے جو ابن اثیر کی جامع الاصول (کے پڑھنے پڑھانے) میں مصروف ہوا اور ابن صلاح کی علوم الحدیث یا امام نووی کی تقریب اسے یاد ہو حالانکہ اسے، محدثین کا کوئی مرتبہ حاصل نہیں ہے۔“

خود نواب صاحب نے ائمہ مجتہدین کی راہ پر چلنے سے جابجا انکار کیا ہے اور دنیا بھر کے حنفی شافعی، مالکی اور حنبلی مسلمانوں کے اجماع کو قبول کرنے سے گریز کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”ہم ایک خدا کے ماننے والے اور ایک نبی برحق کی چال چلنے والے اپنے تئیں کسی اگلے بڑے اماموں کی طرف منسوب نہیں کرتے۔ نہ اپنے تئیں حنفی اور شافعی کہتے ہیں اور نہ حنبلی اور مالکی کہنے سے راضی ہوتے ہیں۔“ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص۱۹)

اس سے چند سطر بعد اجماع کو نظر انداز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم لوگ صرف کتاب وسنت (اجماع کا کوئی ذکر نہیں) کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔“ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص۲۰)

ائمۂ مجتہدین کے اجتہادات کو مکر وفریب اور امتِ مسلمہ کی غالب اکثریت کو خرابیوں کے جال میں گرفتار قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اور پر ظاہر ہے کہ سرچشمہ سارے جھوٹے حیلوں اور مکروں کا اور کان تمام فریبوں اور دغابازیوں کی علم رائے (اجتہاد) ہے جو مسلمانوں میں بعد پیغمبر برحق کے پھیلا ہے اور مہا جال، ان سب خرابیوں کا بول چال فقہا اور مقلدوں کی ہے۔“ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص۲۴)

چند سطر بعد اس سے بھی آگے کی خبر دیتے ہیں اور لکھتے ہیں:

”غرض یہ کہ اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو، تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ

ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔“

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص۲۴)

نواب وحید الزماں جو خود بھی غیر مقلد ہیں، اپنے بھائیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہل حدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی، قرآن کی تفسیر، صرف لغت سے اپنی من مانی کر لیتے ہیں، حدیث شریف میں جو تفسیر آ چکی ہے، اس کو بھی نہیں سنتے ہیں۔“

(محمد عبدالحلیم چشت: حیات وحید الزماں، نور محمد، کراچی، ص۱۰۲، (بحوالہ وحید اللغات، مادہ شرّ شعب)

غیر مقلدین کی تقلید

لطف کی بات یہ کہ ائمۂ مجتہدین کی تقلید کو عار جاننے والے، ابن تیمیہ، ابن قیم اور شوکانی کے اقوال کے آگے مقلدانہ سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں۔ نواب وحید الزماں اس غلو پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل صاحب شہید نور اللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا، بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے۔“

بھائیو! ذرا غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہ اور شافعی کی تقلید چھوڑ دی، تو ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی جو اِن سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

(محمد عبدالحلیم چشتی: حیات وحید الزماں (بحوالہ وحید اللغات) ص۱۰۲)

اسی لیے میاں نذیر حسین دہلوی کے استاذ اور خسر مولانا عبدالخالق لکھتے ہیں:

”جیسے یہ نئے مذہب والے (غیر مقلدین) ہیں کہ کسی مذہب کو نہیں مانتے، تو وہ مقرر اجماع امتِ مرحومہ کا مخالف ہے، اس کو محمدی خالص جاننا عین ذلالت ہے۔“

(عبدالخالق، مولانا: تنبیہ الضالین (مطبع ریاض ہند، آگرہ) ص۳۹)

مولانا عبدالحی لکھنوی اس قسم کے نو پیدا فرقوں کے ظہور اور ان کے پیدا ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولعمری افسادھؤ لاء الملا حدة وافساد اخوانهم الاصاغرالمشهررین بغیر المقلدین الذی سموا انفسهم باهل الحدیث وشتان مابینهم وبین اهل الحدیث قد شاع فی جمیع بلاد الهند وبعض بلاد غیر الهند فخربت به البلاد ووقع النزاع والعناد فالی الله المشتکیٰ والیه المتضرع والملتجیٰ بدأالذین غریبا وسیعود غریبا فطوبیٰ للغرباءo

ولقد کان حدوث مثل هٰؤلاء المفسدین والملحدین فی الازمنة السابقة فی ازمنة السلطنة الاسلامیة غیر مرة فقا بلتهم اساطین الملة وسلاطین الامة بالصوارم المنکبة واجروا علیهم الجواز م المفنیة فاند فعت فتنتهم بهلا کهم ولما لم تبق فی بلاد الهند فی اعصار تاسلطنة اسلامیة ذات شوکة وقوة عمت الفتن واوقعت عباد الله فی المحن فانا لله وانا الیه راجعون۔

(عبدالحی لکھنوی، مولانا: الآثارالمرفوعۃ (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ص۹)

”ملحد نیچریوں کے چھوٹے بھائی غیر مقلدین ہیں جنھوں نے اپنا نام اہل حدیث رکھا ہوا ہے، حالانکہ ان کے اور اہل حدیث کے درمیان زمین وآسمان کا فرق ہے، ان دونوں فرقوں کا فساد ہندوستان کے تمام شہروں اور بیرونِ ہند کے بعض شہروں میں پھیل گیا ہے، چنانچہ شہر خراب ہوگئے اور جھگڑا اور عناد پیدا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ ہی کی بارگاہ میں شکایت، عاجزی اور التجا ہے، دین کی ابتداء غربت میں ہوئی اور وہ پھر غریب ہوجائے گا۔ پس غربا کے لیے خوشخبری ہے۔

ایسے مفسدین اور ملحدین، گزشتہ ادوار میں اسلامی سلطنت کے زمانے میں کئی دفعہ پیدا ہوتے رہے، ملتِ اسلامیہ کے سلاطین تلواروں سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور ان کے خاتمہ حتمی احکام صادر کرتے رہے۔ چنانچہ ان کی ہلاکت کے ساتھ ان کا فتنہ سرد ہوتا رہا اور جب ہمارے زمانے کے ہندوستان میں قوت وشوکت والی اسلامی سلطنت باقی نہ رہی تو فتنے عام ہوگئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مصیبتوں میں ڈال دیا۔ انا للہ وانا الیه راجعون۔“

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

”راقم کو اگر کوئی طنز سے وہابی کہتا ہے تو تردید کی ضرورت نہیں سمجھتا، لیکن اگر کوئی اہل حدیث کے نام سے

یاد کرے، تو اس سے برأت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے، اہل حدیث سے تخرب اور گروہ بندی کی بو آتی ہے۔“

(مسعود عالم ندوی: حاشیہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک (ادارہ مطبوعات سلیمانی، لاہور) ص ۲۹)

فرقه قليله

پاک و ہند میں غالب اکثریت سنی حنفی مسلمانوں کی رہی ہے۔ غیر مقلدین ہمیشہ تعداد میں کم رہے ہیں۔ اس حقیقت کا اعتراف خود انہیں بھی رہا ہے۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنے ہم خیال علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”پھر خاص اپنے گروہ جو عام مسلمانوں کی نسبت ایسے ہیں جیسے آٹے میں نمک، کی قلت پر اور عام مسلمانوں کی نظروں میں ان کی حقارت اور ذلت پر ترس کھائیں، اس قلت اور ذلت کو اور نہ بڑھائیں۔“ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۷، شمارہ ۱۲، ص ۲۷۰)

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کہتے ہیں:

”خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے، اس وقت سے آج تک یہ لوگ حنفی مذہب پر قائم رہے اور ہیں۔“ (صدیق حسن بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ: ص ۱۰)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

”حنفیہ جن سے یہ ملک بالکل بھرا ہوا ہے“ (صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۵)

ان کا یہ قول بھی قابل ملاحظہ ہے:

”اور ہند کے (مسلمان) اکثر حنفی اور بعضے شیعہ اور کمتر اہل حدیث“۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۵)

”امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے، اَسّی سال قبل پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے، جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔“

(ثناء اللہ امرتسری: شمعِ توحید (مطبوعہ سرگودھا) ص ۴۰)

طرفہ تماشا یہ کہ اس تمام تر قلت اور ذلت کے باوجود دنیا بھر کی برائیوں کا الزام سوادِ اعظم احناف کو دینے سے باز نہیں آتے اور صاف کہہ دیتے ہیں:

”اگر غور سے دیکھو اور خوب خیال کرو تو سارے عالم کا فساد اور تمام خرابیوں کی بنیاد یہی گروہ ہے جو اپنے آپ کو کسی مذہب وغیرہ کا مقلد کہتا ہے۔“ (صدیق حسن خان بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۴)

مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں اسلام کی آمد سے آج تک جو جماعت غالب اکثریت کے ساتھ موجود رہی، وہ جھوٹی ہے اور سچا فرقہ صرف وہ ہے جو انگریز کی آمد کے بعد پیدا ہوا فیاللعجب:

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

”سارے عالم اسلام میں غیر مقلدین کا فرقہ باقاعدہ جماعتی رنگ میں کبھی پہلے تھا اور نہ ہی اب موجود ہے۔ صرف ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس میں یہ فرقہ کہیں کہیں پایا جاتا ہے، لیکن ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ کا کہیں بھی نام ونشان تک نہ تھا۔ ہندوستان میں اس فرقہ کا ظہور وجود، انگریز کی نظرِ کرم اور چشم التفات کا رہین منت ہے۔“

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (ابوحنیفہ اکیڈمی، فقیر والی، بہاولنگر) ص ۶)

فتنوں کا سرچشمہ

سلف صالحین اور ائمۂ مجتہدین کا راستہ اور طریقہ نہ صرف صراط الذین انعمت علیھم کا مصداق ہے، بلکہ ان حضرات کی پیروی وہ بابرکت قلعہ ہے جس کے اندر رہنے والا اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نئے نئے فتنوں سے محفوظ اور مامون رہتا ہے اور جب کوئی شخص ان حفاظتی حدود کو پھلانگ جاتا ہے تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کس گڑھے میں جا گرے گا۔

غیر مقلدین نے اتباعِ ائمۂ کی رسی اپنی گردن سے کیا اتار دی کہ جو شخص جس شکاری کی زد میں آیا، اسی کے جال میں گرفتار ہو گیا۔

غیر مقلد عالم قاضی عبدالاحد خانپوری لکھتے ہیں:

”پس اس زمانہ کے جھوٹے اہل حدیث مبتدعین، مخالفین، سلف صالحین جو حقیقت ماجاء بہ الرسول سے جاہل ہیں، وہ صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے ہیں، شیعہ وروافض کے، یعنی جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب اور دہلیز کفر ونفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ وزنادقہ کا تھے اسلام کی طرف، یہ جاہل بدعتی اہل حدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں، ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہٖ مثل اہلِ تشیع۔“ (بشیر احمد قادری: غیر

مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں (مطبوعہ فقیر والی) ص ۳۰

محمد سعید الرحمٰن علوی دیوبندی لکھتے ہیں:

”دعویٰ تو اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکارِ حدیث قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے۔“

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز (مقدمہ) ص ۳)

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”سر سید کا مذہب اسلامی دنیا کو معلوم ہے کہ عقلی تاویلات اور ملاحدہ یورپ کے خیالات تھے، چند روز انہوں نے اہل حدیث کہلایا۔“ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۲)

نواب صدیق حسین بھوپالی لکھتے ہیں:

”سید احمد خاں سی ایس آئی دعوی وہابیت کا کرتے ہیں۔“

(صدیق حسین بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

”قادیان میں مرزا پیدا ہوا، تو اس کو بھی اہل حدیث کے مولوی حکیم نور الدین بھیروی، جمونی اور مولوی احسن امروہوی بھوپالی نے ویلکم یا لبیک کہا۔ فتنہ انکار حدیث (چکڑالوی مذہب) نے مسجد چینیا نوالی (لاہور) میں جو اہلحدیث کی مسجد ہے، جنم لیا اور چٹو و محکم الدین وغیرہ (جو اہل حدیث کہلاتے تھے) کی گود میں نشو و نما پایا اور یہی مسجد بانی مذہب چکڑالوی کا ہیڈ کوارٹر بنایا گیا۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۸، ص ۲۵۲)

آج کل احسان الٰہی ظہیر اسی مسجد کے خطیب ہیں۔

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی لکھتے ہیں:

”اس مقصد کے لیے بھی غیر مقلدین نے اس (انگریز) کو چند نہایت موزوں افراد فراہم کیے۔ یہ تھے لاہور کی چینیا نوالی مسجد کے خطیب عبداللہ چکڑالوی، احمد دین بگوی، اسلم جیراجپوری، نیاز فتح پوری اور ان کے اتباع واذناب یہ اشخاص انگریز کی آرزوؤں، خواہشوں اور تمناؤں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے نہایت تیزی سے آگے بڑھے اور فرقۂ انکار حدیث کی بنیاد رکھی۔

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اور انگریز، ص ۱۱-۱۰)

مولوی بشیر احمد دیوبندی ''خیر التنقید'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جناب بٹالوی صاحب۔۔۔۔ لکھتے ہیں:۔۔۔ پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی کے جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق (ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں) اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں، وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔ کفر و ارتداد کے اسباب اور بھی بکثرت موجود ہیں، مگر دینداروں کے بے دین ہو جانے کے لیے بے علمی کے ساتھ ترکِ تقلید بڑا بھاری سبب ہے۔

(بشیر احمد قادری: اہل حدیث اپنے اکابر کی نظر میں، ص ۳۴)

علماء دیوبند----اور اہل حدیث

دیوبندی مکتب فکر کے، اعتقادیات میں اہل حدیث کے ساتھ متفق ہونے کے باوجود اہل حدیث کے بارے میں میں تاثرات لائق مطالعہ ہیں۔

غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ

مولوی اشرف علی تھانوی، محمد حسین بٹالوی کے بارے میں کہتے ہیں:

''مولانا موصوف غیر مقلد تھے، مگر منصف مزاج، حضرت (تھانوی صاحب) نے فرمایا کہ میں نے خود ان کے رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' میں ان کا یہ مضمون دیکھا ہے، جس کا خلاصہ ہے کہ:

''پچیس سال کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدی بے دینی کا دروازہ ہے۔''

حضرت گنگوہی نے اس قول کو سبیل السداد میں نقل کیا ہے۔

(محمد شفیع، مفتی: مجالسِ حکیم الامت (دارالاشاعت، کراچی) ص ۲۴۲)

تھانوی صاحب کے چند اقوال ملاحظہ ہوں:

''ارشاد فرمایا کہ غیر مقلدی بے عقلی کی دلیل ہے، بے دینی کی نہیں، ہاں جو ائمۂ مجتہدین پر تبرا کرے، تو بے دینی ہے۔'' (محمد شفیع، مفتی: مجالسِ حکیم الامت (دارالاشاعت، کراچی) ص ۲۳۴)

بے ادب اور گستاخ

''ایسے ہی اکثر غیر مقلد ہیں، حدیث کا تو نام ہی نام ہے، محض قیاسات ہی قیاسات ہیں، اپنے ہی مقلد

ہیں، حدیث کی تو ہوا بھی نہیں لگی اور ایک چیز کا تو ان میں نام ونشان نہیں، وہ ادب ہے، نہایت ہی گستاخ اور بے ادب ہوتے ہیں جو جس کو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں، بڑے جری ہیں اس باب میں اور بزرگوں کی شان میں گستاخی کرنے والا بڑے ہی خطرہ میں ہوتا ہے سوء خاتمہ کا۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ (ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، ج ۴، ص ۲۴)

رُخصتوں کا مجموعہ

”حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اکثر غیر مقلدوں کے مذہب کا حاصل مجموعہ رخص (رخصتوں پر عمل کرنا) ہے جس کا نتیجہ بددینی ہے۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ (ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ، ملتان، ج ۴، ص ۲۶۹)

غیر مقلد ہونا آسان

”غیر مقلد ہونا تو بہت آسان ہے، البتہ مقلد ہونا مشکل ہے، کیونکہ غیر مقلدی میں تو یہ ہے کہ جو جی میں آیا کر لیا، جسے چاہا بدعت کہہ دیا، جسے چاہا سنت کہہ دیا، کوئی معیار ہی نہیں، مگر مقلد ایسا نہیں کر سکتا، اس کو قدم قدم پر دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہے۔ بعضے آزاد غیر مقلدوں کی ایسی مثال ہے کہ جیسے سانڈ ہوتے ہیں۔ اس کھیت میں منہ مارا، اس کھیت میں نہ مارا، نہ کوئی کھونٹا ہے نہ تھان۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۴، ص ۲۹۴)

ادب و تھذیب سے دور

اکثر پکے محبّ دنیا ہیں، بزرگوں سے بدگمانی اس قدر بڑھی ہوئی ہے جس کا کوئی حد وحساب نہیں اور اس سے آگے بڑھ کر یہ ہے کہ بدزبانی تک پہنچے ہوئے ہیں۔ ادب اور تہذیب ان کو چھو بھی نہیں گئے۔ ہاں بعضے محتاط بھی ہیں۔ وقلیل ماھم (محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۱، ص ۲۲۲) (اور وہ بہت تھوڑے ہیں)۔

نیت پر بھی شبہ

”بعضے غیر مقلدوں میں تشدد بہت ہوتا ہے، طبیعت میں شر ہوتا ہے اور مجھے تو الا ماشاء اللہ ان کی نیت پر بھی شبہ ہے۔ سنت سمجھ کر شاید ہی کوئی عمل کرتے ہوں، مشکل ہی سا معلوم ہوتا ہے۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج ۱، ص ۲۲۲)

ابطالِ سنت

”آج کل کے اکثر غیر مقلدوں میں تو سوءِ ظن کا خاص مرض ہے۔ کسی کے ساتھ بھی حسنِ ظن نہیں رکھتے۔ بڑے ہی جری ہوتے ہیں، جو جی میں آتا ہے جس کو چاہتے ہیں جو چاہیں کہہ ڈالتے ہیں۔ ایک سنت کی حمایت میں دوسری سنت کا ابطال کرنے لگتے ہیں۔

(محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج۱، ص۳۰۹)

فتنوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے

ہفت روزہ خدام الدین لاہور کے سابق مدیر، محمد سعید الرحمٰن علوی لکھتے ہیں: ”دعویٰ اہل حدیث ہونے کا ہے، لیکن حالت یہ ہے کہ نیچریت، انکارِ حدیث، قادیانیت سمیت اکثر و بیشتر فرقوں کے بانی غیر مقلدیت کے بطن سے پیدا ہوئے“۔ (محمد اشرف علی تھانوی: افاضاتِ یومیہ، ج۱۲، ص۳۲۲)

مولوی بشیر احمد قادری دیوبندی، مدرس مدرسہ قاسم العلوم، فقیر والی لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں اس فرقے کا ظہور و وجود، انگریز کی نظر کرم اور چشم التفات کا رہین منت ہے۔ ہندوستان میں جب انگریز نے اپنے منحوس قدم جمائے،، تو اس نے مسلمانوں میں انتشار و خلفشار، اختلاف و افتراق اور تشتت و لامرکزیت پیدا کرنے کے لیے ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ کے شاطرانہ اصول کے تحت یہاں کے باشندگان کو مذہبی آزادی دی۔۔۔ کیونکہ وہ ابلیسِ سیاست تھا، بنابریں وہ بخوبی جانتا تھا کہ مذہبی آزادخیالی ہی تمام فتنوں کا منبع، مصدر اور سرچشمہ ہے، اس مذہبی آزادی کے نتیجہ فرقہ غیر مقلدین ظہور پذیر ہوا۔ (بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز، ص۶)

آخر میں بہ طور خلاصہ لکھتے ہیں:

کیا وہ جماعت (جس کے بانی، موسس ایسے گھناؤنے کردار اور گھٹیا ذہن کے مالک ہوں جن کی ساری زندگی انگریز پرستی اور اسلام دشمنی میں گزری ہو، جن کی زندگی کا مشن اور نصب العین ہی انگریز کی وفاداری اور جاں نثاری ہو، جو انگریز سرکار کے مقاصد کی تکمیل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے ہوں) محبِ وطن اور ملک و ملت کی غم خوار اور بہی خواہ ہوسکتی ہے؟ کیا ایسی جماعت صحیح اسلام کی علمبردار ہوسکتی ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں۔

۔۔۔۔۔ جب ان کے اکابر کے کردار کا یہ حال ہے، تو ان کے اصاغر کے کردار کا اندازہ، ناظرین

کرام بخوبی لگا سکتے ہیں۔ ع

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

(بشیر احمد قادری، اہل حدیث اور انگریز، ص ٦)۔

بے ادب اور گستاخ

آزادروی کا ایک نتیجہ یہ نکلا کہ اس طبقے کا رجحان خطرناک حد تک گستاخی اور بے ادبی کی طرف ہو گیا، علماء اہل سنت کے شدید محاسبے نے کسی حد تک روک تھام کی ورنہ یہ منہ زور سیلاب نہ جانے کہاں تک جا پہنچتا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

- غیب کا دریافت کرنا اپنے اختیار میں ہو، جب چاہے دریافت کر لیجئے، یہ اللہ صاحب ہی کی شان ہے۔ (محمد اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ٢٣)

اس کا مطلب سوائے اس کے اور کیا ہے کہ غیب کا علم ہر وقت اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں ہے، معاذ اللہ: وہ غیب سے جاہل رہتا ہے، تاوقت یہ کہ اس کے جاننے کا ارادہ نہ کرے۔

- اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، وہ اللہ تعالیٰ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔" (محمد اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان (اخبار محمدی، دہلی) ص ١٥)۔

اس عبارت کو پڑھ کر بندۂ مومن کی روح تک کانپ اٹھتی ہے: ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا، میں تمام انبیاء، ملائکہ اور اولیاء کرام سب ہی آ گئے۔ ان کے بارے میں یہ ذلیل کلمات لکھنا کس قدر متعفن ذہنیت کا غماز ہے؟ کوئی عیسائی یہ کلمات لکھتا تو بات سمجھ میں آ سکتی تھی، مگر حیف ہے کہ یہ کلمات ایک کلمہ پڑھنے والے نے لکھے ہیں۔

- شیخ اور ان کے امثال، خواہ وہ جناب رسالت مآب ہی ہوں، کی طرف ہمت کا لگا دینا، اپنی گائے اور گدھے کے خیال میں غرق ہونے سے بدرجہا بدتر ہے۔"

(محمد اسمٰعیل دہلوی، صراطِ مستقیم، فارسی (مکتبہ سلفیہ، لاہور) ص ٨٦)۔ ترجمہ

"ہمیں بحث و مناظرہ سے غرض نہیں ہے۔ اگر آپ کے سینے میں دل اور دل میں نور ایمان کی کوئی کرن موجود ہے تو انصاف و دیانت کے نام پر بتائیے کہ اس میں سید عالم ﷺ کی توہین و تنقیص ہے یا نہیں؟ اور کیا توحید

کی تکمیل کے لیے تنقیصِ رسالت ضروری ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر عرض کرتے ہیں کہ ایسی توحید شیطانی تو ہو سکتی ہے، رحمانی ہرگز نہیں۔“

مولانا رومی اور مولانا جامی رحمہا اللہ تعالیٰ کی عظمت وولایت کا ایک جہانِ معترف ہے، مگر اہل حدیث انہیں کن القاب سے یاد کرتے ہیں؟ مولوی نور محمد کی تصنیف شہباز شریعت کا مطالعہ کیجئے، وہ لکھتے ہیں:

ایہ جامی کتا بھوکیا اندر تحفے کفراں والے
جو جامی، رومی دے پچھلگ اوہ کافر سڑن منہ کالے
مثنوی رومی دے وچہ جامی شارح چک چلایا
ہلکیاں کتیاں والے چکوں رکھیں شرم خدایا

(نور محمد، مولوی: شہباز شریعت (مطبع محمدی، لاہور) ص۳-۱۳۲)

یاد رہے کہ علامہ اقبال، پیر رومی کے اس قدر عقیدت مند ہیں کہ اپنے کلام میں جا بجا ان کے ارشادات کا تذکرہ کرتے ہیں اور مولانا جامی کی عظمتوں کو ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں

کشتۂ انداز ملا جامیم
نظم و نثر او علاج خامیم

اللہ تعالیٰ بزرگانِ دین کی بے ادبی اور گستاخی سے محفوظ رکھے۔

عامۃ المسلمین کو بات بات پر مشرک قرار دینا، تو اس قوم کا دل پسند مشغلہ ہے۔ ذیل کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو، کس بیدردی سے تمام امتِ مسلمہ کو مشرک قرار دیا ہے اور غیر شعوری طور پر اپنے آپ کو بھی اسی زمرے میں داخل کر دیا ہے۔ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”پھر اللہ ایک ایسی باؤ (ہوا) بھیجے گا کہ سب اچھے بندے کہ جن کے دل میں تھوڑا سا بھی ایمان ہوگا، مر جائیں گے کہ جن میں کچھ بھلائی نہیں، یعنی نہ اللہ کی تعظیم نہ رسول کی راہ پر چلنے کا شوق، بلکہ باپ دادوں کی رسموں کی سند پکڑنے لگیں گے۔ اسی طرح سے شرک میں پڑ جائیں گے۔۔۔۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آخر زمانہ میں قدیم شرک بھی رائج ہوگا۔ پیغمبر ﷺ کے فرمانے کے موافق ہوا۔“ (محمد اسمٰعیل دہلوی: تقویۃ الایمان

(دہلی) ص ۵۳

ان چند حوالوں کے پیش کرنے کا مقصد اس ذہنیت کی نشان دہی کرتا ہے جو اہل حدیث کا امتیازی وصف ہے، تفصیل کے لیے دیکھئے:

تحقیق الفتویٰ	علامہ فضلِ حق خیرآبادی
اطیب البیان	مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی
الکوکبۃ الشہابیہ	امام احمد رضا بریلوی
مولانا اسمٰعیل دہلوی اور تقویۃ الایمان	مولانا ابوالحسن زید فاروقی دہلوی

تبدیلی عنوان

سید احمد بریلوی اور شاہ اسمٰعیل دہلوی نے ائمہ اربعہ کے طریقے پر چلنے کو غیر ضروری قرار دیا اور کہا کہ ان چاروں، مسالک سے جو کتاب وسنت کے قریب ہو اس پر عمل کر لیا جائے اور کسی درپیش مسئلہ میں کسی بھی امام کے قول پر عمل کرنا لینا چاہیے۔ کسی ایک معین امام کی تقلید ضروری نہیں ہے۔ اس فرقے کا نام سید صاحب کی نسبت سے ''احمدی'' رکھا گیا۔

(محمد علی قصوری: مشاہداتِ کابل دیاغستان (انجمن ترقی اردو، کراچی) ص ۱۰۶)

سید صاحب کی وفات کے بعد ان کے معتقدین میں مزید شدت پیدا ہو گئی اور انہوں نے اپنے افکار کے ساتھ ساتھ نئے نئے نام تجویز کرنا شروع کر دیئے۔ پہلے محمدی پھر موحد اور آخر میں اہل حدیث نام تجویز کیا۔

مولوی محمد شاہجہانپوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے۔ اپنے آپ کو تو وہ اہل حدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں، مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لا مذہب لیا جاتا ہے۔

(الارشاد الیٰ سبیل الرشاد، ص ۱۳) (بشیر احمد قادری: غیر مقلدین اپنے اکابر کی نظر میں، ص ۱۷)

غیر مقلدین کے مخالفین انہیں وہابی کے نام سے یاد کرتے تھے، حکومت کے کاغذات میں بھی یہی نام استعمال ہوتا تھا۔ غیر مقلدین کے مشہور راہنما مولوی محمد حسین بٹالوی نے باقاعدہ درخواست دے کر انگریزی حکومت سے اپنا نام ''اہل حدیث'' الاٹ کرایا اور حکومت کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا:

مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو درخواست حکومت کو دی، اس کے چند اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

- لفظ وہابی ایسے دو بُرے معنوں میں مستعمل ہے جن سے گروہ اہلِ حدیث کی برأت ونفرت ثابت ہے۔۔۔ لہٰذا اہل حدیث اپنے حق میں اس لفظ کی استعمال جائز نہیں جانتے اور اس کو لائبل (مزیل حیثیت) لفظ خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ مومون، لفظ کافر کو یا مسلمان، لفظ حلال خور کو۔

اور اپنی مہربان گورنمنٹ اور خواص ملک سے وہ اصرار کے ساتھ یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس لفظ سے اس گروہ کو مخاطب نہ کیا کریں۔

- یہ فرقہ گورنمنٹ کا دلی خیر خواہ، گورنمنٹ سے اس درخواست کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ گورنمنٹ اپنی خیر خواہ رعایا کی نسبت ایسے الفاظ کا استعمال قطعاً ترک کرے۔

یہ درخواست ۱۹؍جنوری ۱۸۸۷ء کو منظوری ہوئی۔ بٹالوی صاحب نے اس کا تذکرہ تمام تر ممنونیت کے ساتھ کیا، لکھتے ہیں:

’’اس درخواست کو ہمارے رحم دل اور فیاض لفٹینٹ گورنر پنجاب سر چارلس ایچی سن صاحب بہادر بالقابہ نے معرضِ قبول میں جگہ دی اور بڑے زور کے ساتھ گورنمنٹ ہند کی خدمت میں اس کی قبولیت کے لیے سفارش کی۔

مسلمانوں کے حال پر رحم فرما وہر دل عزیز وائسرائے وگورنر جنرل لارڈ ڈفرن بالقابہ نے بھی سر چالس ایچی سن صاحب بالقابہ کی رائے زریں سے اتفاق رائے ظاہر فرمایا اور سرکاری کاغذات میں اس لفظ کے استعمال سے ممانعت کا حکم فرمایا۔‘‘ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۷-۹)

نام کی تبدیلی کا اہم فائدہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

منجملہ ان نتائج کے جو ۱۸۸۶ء میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ایک عمدہ نتیجہ یہ ہے کہ اس رسالہ (اشاعۃ السنۃ) نے گروہِ اہل حدیث کی وفاداری گورنمنٹ پر ثابت کر دی اور ان کے حق میں لفظ ’’وہابی‘‘ کا (جو ناواقفوں کے خیال میں ان کی وفاداری میں شبہ انداز تھا) استعمال حکماً موقوف کرادیا۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ ۱، ص ۷)

اگست ۱۹۰۲ء میں مولوی محمد حسین بٹالوی شملہ گئے، تو رپورٹ مردم شماری میں بعض جگہ اہل حدیث کے لیے لفظ وہابی لکھا ہوا دیکھا، چنانچہ انہوں نے سپرنٹنڈنٹ مردم شماری پنجاب، ایچ، اے روز کو ایک درخواست دی، جس میں لکھا:

’’ازراہِ مہربانی وانصاف پروری اس نکِ نیم (بدنام) کو رپورٹ میں بدل دیا جائے۔۔۔اس برے لقب کو اپنے حق میں کوئی اہل حدیث استعمال نہیں کرتا۔‘‘

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۱)

ایچ اے روز نے یہ درخواست اپنے سفارشی ریمارک کے ساتھ گورنمنٹ پنجاب کو بھیج دی، پھر بٹالوی صاحب لفٹینٹ گورنر پنجاب کو ملے اور اس معاملہ کی طرف توجہ دلائی۔

’’جس پر ہمارے بیدار مغز جزورس نامور لفٹینٹ گورنر سر چارلس ریواز صاحب بہادر نے حکم صادر فرمایا کہ جن کاغذاتِ مردم شماری میں لفظِ ’’وہابی‘‘ لکھا گیا، ان کو ردی کر کے از سرِ نو کاغذات چھپائے جائیں۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲)

ہندوستان کی برطانوی حکومت نے ۱۸۸۱ء کی مردم شماری رپورٹ میں اس فرقے کا اندراج ’’وہابی‘‘ کے تحت کیا ہے۔

(Ibbetson, D.C: Census Report for the Panjab, Lahore, 1882, pp, 147-48)۔

لیکن بعد کی رپورٹوں میں ان کی درخواست پر ان کے فرقہ کو ’’اہل حدیث‘‘ کے حروف تہجی کے تحت لائے ہیں۔

روز نے اس فرقہ کے عقائد کی تفصیلات تحریر کرتے ہوئے لکھا ہے:

’’اس فرقے کے پیرو دیگر تمام مسلمانوں کو ’’مشرک‘‘ کہتے ہیں‘‘ They call the rest of the Muhammadans Mushrik

(Rose, H.R: A Glossary of teh Tribes and Castes of the Punjab and North West Frontier Province, Lahore, 1978, Vol. II p.8)

ان تفصیلات سے اس فرقہ کی حکومت سے وفاداری، حکومت کی نگاہ میں قدر و منزلت اور بٹالوی صاحب کی شبانہ روز تگ ودَو کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

مستند خیر خواہ

نام کی اس تبدیلی کے فائدے پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے:

اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ گورنمنٹ پنجاب سے ایک سرکلر جاری کرادیا کہ اہل حدیث کو وہابی کہنا لائبل (مزیل حیثیت) ہے خود گورنمنٹ پنجاب اور اس کے اعلیٰ حکام نے اپنی چٹھیوں میں اعتراف کیا ہے کہ اہل حدیث برٹش گورنمنٹ کے بدخواہ نہیں ہیں، بلکہ خیر خواہ ہیں۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، جلد١٠، شمارہ١، ص١٠)

اہل حدیث ----اور انگریز

اس میں شک نہیں کہ غیر مقلدین سیاست جدیدہ سے بخوبی واقف واقع ہوئے ہیں، زمانے کے نشیب و فراز اور اپنے مشن کو آگے بڑھانے کے گُر سے واقف ہیں، چاہیے اس کے لیے کیسے ہی جائز اور ناجائز طریقے اختیار کرنا پڑیں۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی خاندانِ ولی اللّٰہی میں امتیازی شخصیت کے حامل تھے، علمی ماحول میں پیدا ہوئے، پلے بڑھے اور مروجہ علوم دینیہ حاصل کیے۔ گھڑ سواری اور تیراکی کے خاص طور پر شائق تھے۔ مرزا حیرتؔ دہلوی لکھتے ہیں:

”اس کثرت سے پانی میں رہنے سے آپ کو جل مانس کا لقب دلوادیا تھا“

(مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ (مکتبۃ السلام، لاہور) ص٦١)

شاہ اسمٰعیل دہلوی کے مزاج مین ابتداء ہی سے آزادروی پائی جاتی تھی دہلی میں جب انہوں نے اپنے حنفی آباء واجداد اور اساتذہ کے برعکس رفع یدین شروع کیا، تو ان کے چچا شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے انہیں کہلا بھیجا کہ رفع یدین چھوڑ دو، اس سے خواہ مخواہ فتنہ پیدا ہوگا۔ انہوں نے جواب میں فوراً یہ حدیث پڑھ دی:

من تمسك بسنتي عند فساد امتى فلهٗ اجر مائة شهيد۔

جو شخص میری امت کے فساد کے وقت میری سنت کو اپنائے اس کے لیے سو شہید کا اجر ہے۔

اس پر شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے فرمایا:

”بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا، مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہ سمجھا۔ یہ حکم اس وقت ہے، جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ (زیر بحث مسئلہ) میں سنت کے مقابل خلافِ سنت نہیں، بلکہ دوسری سنت ہے، کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے، یوں ہی ارسال بھی سنت ہے۔“ (اشرف علی تھانوی: حکایاتِ اولیاء (دارالاشاعت، کراچی) ص ۱۲۰-۱)

اسی آزادروی کا نتیجہ تھا کہ تقویۃ الایمان نامی کتاب لکھی جس میں انبیاء و اولیاء کے حق میں ایسی زبان استعمال کی گئی جو قطعاً ان کے شایانِ شان نہ تھی۔ عامۃ المسلمین کو بے دریغ مشرک اور اسلام سے خارج قرار دیا گیا۔ محمد اعظم بیگ لکھتے ہیں:

”اور اولیاء وغیرہ بزرگوں کے ذکر میں گستاخانہ کلام ہمیشہ ان سے ہوتا ہے جو خلاف شان اس عظیم الشان گروہ کے ہے، چنانچہ تقویۃ الایمان وغیرہ ان کے رسائل نظم و نثر میں بہت جگہ اشارہ اس طرف ہے اور بہت عقائد جو مختلف فیہ ہیں، ان پر بڑے شد و مد سے یہ لوگ عوام کو ایک طرف کھینچتے ہیں اور تقلید حنفی کو پسند نہیں کرتے۔“ (محمد اعظم بیگ: تواریخِ ہزارہ (وکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۷۸ء) ص ۷۳۷)۔

اس تشدد کا خود انہیں بھی احساس تھا، چنانچہ ایک مجلس میں شاہ اسمٰعیل دہلوی نے کہا: ”میں جانتا ہوں کہ اس میں بعض جگہ ذرا تیز الفاظ بھی آ گئے ہیں اور بعض جگہ تشدد بھی ہو گیا ہے، مثلاً ان امور کو جو شرک خفی تھے، شرک جلی لکھ دیا گیا ہے۔ ان وجوہ سے مجھے اندیشہ ہے کہ اس کی اشاعت سے شورش ضرور ہو گی، گو اس سے شورش ہو گی، مگر توقع ہے کہ لڑ بھڑ کر خود ٹھیک ہو جائیں گے۔

(اشرف علی تھانوی: حکایاتِ اولیاء، ص ۱۰۳-۴)

حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کی بدولت وہ شورش پیدا ہوئی جو کبھی ختم نہ ہو سکی اور مسلمانوں میں ایسی فرقہ وارانہ خلیج حائل ہو گئی کہ بعد میں اس کے پاٹنے کی کوئی سبیل پیدا نہ ہو سکی، انگریز کو ایسے ہی افراد کی ضرورت تھی جو مسلمانوں کو فرقوں میں تقسیم کر دیں اور کبھی متحدہ نہ ہونے دیں۔ شاطرِ فرنگی کی سیاست کی بنیاد ہی یہ ہے کہ ”لڑاؤ اور حکومت کرو“ اس مقصد کے لیے وہ لوگ قطعاً موزوں نہ تھے جو قدیم طریقوں پر سختی کے ساتھ قائم رہنے میں ہی اپنی بقا تصور کرتے ہوں۔

پھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ شرکِ خفی کو شرکِ جلی قرار دینے کا اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا؟ یہ تو خود شارع بننے کے مترادف ہے۔

انگریزوں نے تقویۃ الایمان کو اس قدر اہمیت دی کہ اس کا انگریزی ترجمہ کروا کر شائع کیا، ظاہر ہے کہ بلاوجہ اتنی اہمیت نہیں دی گئی۔ سر سید لکھتے ہیں:

”جن چودہ کتابوں کا ذکر ڈاکٹر ہنٹر صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے، ان میں ساتویں کتاب ”تقویۃ الایمان“ ہے، چنانچہ اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ”رائل ایشیاٹک سوسائٹی (لندن) کے رسالہ (جلد ۱۳، ۱۸۵۲ء) میں چھپا تھا“۔

(سید احمد خاں، سر: مقالاتِ سر سید (مجلس ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۷۸ (ایضاً: ج ۰، ص ۱۳۱)

یہ انگریزی ترجمہ منشی شہامت علی نے کیا تھا، جو ۱۸۵۲ء میں لندن سے شائع ہوا۔ شہامت علی نے دہلی کالج میں انگریزی تعلیم حاصل کی اور مختلف اوقات میں انگریزوں کے ترجمان کے طور پر کام کرتا رہا۔ خاص طور پر اس نے سر سی، ایم ویڈ (Wade) کے ساتھ منشی کے طور پر کام کیا تھا۔

(منظور الحق صدیقی، پروفیسر: تاریخ حسن ابدال (ادارۂ تحقیقات، پاکستان، لاہور) ص ۱۲۶)

سید احمد بریلوی ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء میں رائے بریلی میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں خاموشی پسند اور علم و تعلیم سے بے تعلق واقع ہوئے تھے۔ مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

”یہ تعجب سے نظر کیا جاتا ہے کہ بزرگ سید بچپن میں اپنے غیر معمولی سکوت کی وجہ سے پرلے درجے کا غبی مشہور ہو گیا تھا اور لوگوں کا خیال تھا کہ اسے تعلیم دینا بے سود ہے، کبھی کچھ آئے جائے گا ہی نہیں۔“ (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۴۸۵)

”قرآن پاک پڑھنے کے بعد کریما پڑھنے کی باری آئی تو حال یہ تھا کہ کریما کا پہلا مصرع خاصہ دعائیہ ہے، مگر یہ بھی بزرگ سید کو تین دن میں یاد ہوا تھا، اس پر بھی کبھی کریما کو بھول گئے، تو کبھی بر حال ما کو دل سے محو کر دیا۔“ (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۴۸۶)

بیس سال کی عمر میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے پاس دہلی پہنچے اور دو سال ان کے پاس رہے۔ ۲۳ سال کی عمر میں امیر خان پنڈاری کے پاس مالوہ میں جا کر سواروں میں ملازم ہو گئے، پھر باڈی گارڈ

افسر بنا دیئے گئے۔ اسی دوران انہوں نے ایک اہم کارنامہ انجام دیا اور وہ یہ کہ امیر خاں جو انگریزوں سے برسر پیکار رہتا تھا، اس کی صلح انگریز سے کروادی۔

”لارڈ ہیسٹنگ سید احمد صاحب کی بے نظیر کارگزاری سے بہت خوش تھا۔ دونوں لشکروں کے بیچ میں ایک خیمہ کھڑا کیا گیا اور اس میں تین آدمیوں کا باہم معاہدہ ہوا۔ امیر خاں، لارڈ ہیسٹنگ اور سید احمد صاحب۔ سید احمد صاحب نے امیر خان کو بڑی مشکل سے شیشے میں اتارا تھا۔ آپ نے اسے یقین دلا دیا تھا کہ انگریزوں سے مقابلہ کرنا اور لڑنا بھڑنا اگر تمہارے لیے بڑا نہیں ہے، تو تمہاری اولاد کے لیے سم قاتل کا اثر رکھتا ہے۔“ (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۵۱۳)

ایک عرصہ بعد امیر خاں کی ملازمت ترک کر کے پھر دہلی پہنچے۔ شاہ اسمٰعیل دہلوی اور مولوی عبدالحی دہلوی ایسے علماء سید صاحب کی اقتداء میں دو رکعت نماز ادا کر کے اتنا متاثر ہوئے کہ حلقۂ بیعت میں داخل ہو گئے۔

(محمد علی، سید: مخزنِ احمدی (مطبع مفید عام، آگرہ) ص ۳۵)

کیا یہ تحریک انگریز کے خلاف تھی؟

سید صاحب کی صوفیانہ وضع قطع اور شاہ اسمٰعیل کا علم اور زورِ خطابت جمع ہوئے تو ایک قیادت کا سامان فراہم ہو گیا۔ طے یہ پایا کہ جگہ جگہ وعظ کر کے سکھوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لیے چندہ اور افرادی قوت جمع کی جائے، چنانچہ اس پروگرام پر پورے زور وشور سے عمل کیا گیا۔ جہاد سے پہلے مناسب معلوم ہوا کہ حج کر لیا جائے۔ ۱۲۳۶ھ میں ایک قافلہ کے ہمراہ سفر حج پر روانہ ہوئے۔

(مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۵۱۸)

انگریزی قلمرو میں اس تمام کاروائی اور سفرِ حج کا تذکرہ کرتے ہوئے نواب صدیق حسن خاں بھوپالی لکھتے ہیں:

”ان کو فضلِ رسول بدایونی نے وہابی اور سرکار کا دشمن بتلایا، حالانکہ وہ کلکتہ تک گئے تھے اور ہزاروں مسلمان فوج انگریزی کے ان کے مرید ہوئے تھے، مگر انہوں نے کبھی یہ ارادہ (جہاد) ساتھ سرکار انگریزی کے ظاہر نہیں کیا اور نہ سرکار نے ان سے کچھ تعرض فرمایا، حالانکہ خاص کلکتہ سے سات سو آدمی اپنے ہمراہ لے کر حج کو گئے اور مدت دراز تک ہزاروں مریدوں کو ہمراہ لے کر ہندوستان کے شہروں میں وعظ ونصیحت کرتے پھرے۔

"(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمان وہابیہ، ص ۴۵)

حج کے بعد زور شور سے سکھوں سے جہاد کے وعظ کہے گئے اور روانگی سے پہلے انگریزی حکومت سے باقاعدہ اجازت حاصل کی گئی۔

سید صاحب نے مولانا شہید کے مشورہ سے شیخ غلام علی رئیس الہٰ آباد کی معرفت لفٹیننٹ گورنر ممالک مغربی شمال کی خدمت میں اطلاع دی کہ ہم لوگ سکھوں پر جہاد کرنے کی تیاری کرتے ہیں۔ سرکار کو تو اس میں کچھ اعتراض نہیں ہے۔ لفٹیننٹ گورنر نے صاف لکھ دیا کہ ہماری علمداری امن میں خلل نہ پڑے، تو ہمیں آپ سے کچھ سروکار نہیں۔ نہ ہم ایسی تیاری میں مانع ہیں۔

(مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۵۲۳)

اس وقت تک پنجاب اور موجودہ سرحد پر انگریز کا تسلط نہیں ہوا تھا۔ پنجاب سے ہری پور تک سکھوں کی حکومت تھی، ایسے میں سکھوں کے خلاف کاروائی کو انگریز ناپسندیدگی کی نگاہ سے کیوں دیکھتے؟ اس طرح تو ان کی راہ کا ایک سنگِ گراں خودبخود دور ہو رہا تھا۔

سبط الحسن ضیغم لکھتے ہیں:

"تحریک مجاہدین کا قیام پنجاب کی سکھ حکومت کے خاتمے کے لیے عمل میں لایا گیا اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ارباب بست و کشادہ بجا طور پر یہ سمجھتے تھے کہ اس تحریک سے ان کے دو مقاصد پورے ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ وادئ گنگ و جمن کی مسلم اشرافیہ کے ذہین نوجوان ترکِ وطن کر کے ان کے لیے راہ ہموار کر رہے ہیں اور دوسرے یہ کہ پنجابی (سکھ) حکومت کے خلاف جہاد میں مصروف ہیں، جس سے دونوں قوتیں کمزور ہو رہی ہیں۔
"

ضیغم صاحب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کی تصنیف "برصغیر پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ" ص ۲۶۸--۲۶۹ کے حوالہ سے مزید لکھتے ہیں:

"اسی بناء پر کمپنی کے زیرِ تسلط علاقوں میں سید احمد اور شاہ اسمٰعیل کو کئی سہولتیں فراہم کی گئیں۔ انہیں نہ صرف ہر جگہ عوام سے خطاب کرنے کے مواقع فراہم کیے گئے۔ بلکہ ان کی تحریک کے لیے چندے کی فراہمی میں بھی انگریزوں نے تعاون کیا۔ یہاں تک کہ ان مقامی ساہوکاروں پر انگلیسی عدالتوں میں مقدمہ چلانے کی

اجازت بھی دے دی جو اس روپے کو مجاہدین تک پہنچانے میں کوتاہی برتتے تھے جو انہیں اس مقصد کے لے دیا جاتا۔ علاوہ ازیں تیل کے کارخانوں اور دوسرے کاروباری اداروں کے مقامی مزدوروں کے جہاد میں حصہ لینے کے لیے مختلف مراعات عطا کی گئیں۔‘‘

(سبط الحسن ضیغم، سید: ماہنامہ المعارف، لاہور (فروری ۱۹۸۳ء) ص ۶۱)

اس تفصیل سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ تحریک انگریزی حکومت کے خلاف قطعاً نہ تھی، اس سے تو گورنمنٹ کے مقاصد کی تکمیل ہو رہی تھی، سرحدی مسلمان اگر اس قسم کے خدشات کا اظہار کرتے تھے، تو ان کو بے بنیاد نہیں کہا جا سکتا:

’’خلیفہ سید احمد پر شک کرتے تھے کہ یہ شاید انگریز کے مشورہ سے واسطے فتح اس ملک کے آیا ہے، جہاد کا نام فرضی مقرر کیا ہوا ہے‘‘۔

(محمد اعظم بیگ: تواریخ ہزارہ، وکٹوریہ پریس، لاہور، ۱۸۷۸ء، ص ۷۲۵)

اس تحریک کے ہندوستان میں ردِ عمل کی بابت ۱۸۲۷ء میں میٹکاف نے گورنر جنرل کو جو رپورٹ پیش کی، اس میں لکھا ہے:

’’سید احمد، مولوی اسمٰعیل اور ان کے پیروکار ساتھیوں نے ہماری مسلمان رعایا کے قلب و ذہن پر ہمہ گیر تو نہیں، لیکن ایک وسیع اثر انگیزی ضرور مرتب کی ہے، رنجیت سنگھ کے زیرِ عملداری علاقوں پر ان (مجاہدین) کی حالیہ یلغار نے دہلی کی مسلم آبادی کے دلوں میں ان کی کامیابی کے لیے مضطربانہ جذبات موجزن کر دیئے ہیں، چنانچہ عام لوگوں کی کثیر تعداد اپنے گھر بار چھوڑ کر لشکرِ مجاہدین میں جا شامل ہوئی ہے اور فوجی ملازمین مستعفی ہو کر ان سے جا ملے ہیں، کہا جاتا ہے کہ شاہِ دہلی (بہادر شاہ ظفر) نے لوگوں میں اس جوش و جذبہ کے فروغ کی حوصلہ افزائی کی ہے۔‘‘

Metcalfe reported the repercussions in India to the governor general in the following words; Syed Ahmed, Maulvi Ismail, and their colleagues have established a very extensive, if not universal, influence over the minds of our Mohammedan subjects. During the period of their recent attack on Ranjit Sing's territories, the most fervent anxiety for their success pervaded the Mohammedan population of Delhi. Numbers quitted their homes and marched to join them, including some who resigned their employments in the Company's service, both the military and the civil branches, for that purpose. It is said that the King of Delhi encouraged this spirit. (PC 88 of 22.6, 1827) (Khushwant Sing: History of the Sikhs, Delhi, Oxford Un versity Press. 1977, Vol , I.P. 272 F.n).

اس تحریک کے بارے میں تحقیق و دیانت کا فیصلہ یہی ہے کہ یہ انگریزوں کے خلاف ہرگز نہ تھی۔ اردو ادب کے مشہور محقق اور سید صاحب کے عقیدت مند حافظ محمود شیرانی نے ہنٹر کے نقطۂ نظر کی مدلل تردید ان الفاظ میں کی ہے:

”یہاں لفظ باغی“ پر میرا اعتراض ہے۔ سید صاحب (سید احمد) کے سرحد پہنچنے کے وقت پنجاب و سرحد میں انگریز کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پھر سید صاحب نے انگریز سے کدھر بغاوت کی۔ سید صاحب کی تحریک ہندوستان میں شروع ہوئی اور ہندوستان میں پروان چڑھی اور یہ سب کچھ انگریز کی آنکھوں کے سامنے ہو رہا تھا، چونکہ تحریکِ سکھوں کے خلاف تھی، اس لیے کمپنی نے دانستہ اغماض کیا اور اپنے علاقے میں اس تحریک کے دبانے کی کوشش نہیں کی، اس لیے سید صاحب کو ہنٹر کا باغی لکھنا، اس لفظ کا غلط اور جلد بازانہ استعمال ہے۔

(مجلۂ تحقیق، حافظ محمود شیرانی نمبر (جلد ۳، شمارہ ۲-۳) پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ص ۲۴۸)

مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں:

”یہ تمام بین ثبوت صاف اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ یہ جہاد صرف سکھوں سے مخصوص تھا، سرکارِ انگریزی سے مسلمانوں کو ہرگز مخاصمت نہ تھی۔ (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ، ص ۵۲۳)

سرسید لکھتے ہیں:

"جب صاحب کمشنر اور صاحب مجسٹریٹ کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے گورنمنٹ کو اطلاع دی۔ گورنمنٹ نے ان کو صاف لکھا کہ تم کو اس معاملہ میں ہرگز دست اندازی نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ ان کا ارادہ کچھ گورنمنٹ انگریز کے مقاصد کیخلاف نہیں ہے۔

(سید احمد خاں، سر: مقالات سرسید (مجلسِ ترقی ادب، لاہور) ج ۹ ص ۱۴۲)

خط کشیدہ الفاظ خاص طور پر توجہ طلب ہیں کہ کمپنی اس تحریک کو اپنے حق میں نہ صرف بے ضرر سمجھتی تھی، بلکہ اپنے مقاصد کے مطابق قرار دیتی تھی۔

کلکتہ میں جہاد کے موضوع پر تقریر ہو رہی تھی۔ سکھوں کے مظالم بیان کیے جا رہے تھے کہ ایک شخص نے دریافت کیا۔ آپ انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ کیوں نہیں دیتے؟

شاہِ اسماعیل دہلوی نے جواب دیا:

"ان پر جہاد کسی طرح واجب نہیں ہے، ایک تو ان کی رعیت ہیں، دوسرے ہمارے مذہبی ارکان کے ادا کرنے میں وہ ذرا بھی دست اندازی نہیں کرتے۔ ہمیں ان کی حکومت میں ہر طرح کی آزادی ہے۔۔۔۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔" (مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ (مطبع فاروقی، دہلی) ص ۲۹۴)۔ (نوٹ: حیاتِ طیبہ مطبوعہ لاہور میں اخفاءِ حقائق کے لیے یہ عبارت حذف کر دی گئی ہے۔ آخر ع کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟ ۱۲ قادری)۔ (حیاتِ طیبہ، از مرزا حیرت دہلوی، مطبوعہ ادارہ ترجمان السنۃ، ۷/ ایبک روڈ۔ انارکلی، لاہور، ص ۳۶۴ پر یہ عبارت موجود ہے۔ خلیل)

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ

"ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب پھر کہتے ہیں کہ مولانا اسمٰعیل شہید کا جہاد سکھوں سے تھا جو مسلمانوں کے مذہب سے تعرض کرتے تھے، نہ انگریزوں سے جن کو کسی مذہب سے تعرض نہیں ہے، بلکہ انگریزوں سے جہاد کرنے کو وہ برملا ناجائز کہتے تھے۔" (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۲، ص ۲۹)

مشہور سکھ مؤرخ خوشونت سنگھ (Khushwant Singh) لکھتا ہے:

The British governmnent made no attempt to check this crusade against a state with which it had signed a treaty of friendship. (Khushwant Singh: History of the Sikhs, Delhi, 1977, Vol. I).

برٹش سرکار نے جس (سکھ) ریاست کے ساتھ تحریری معاہدہ دوستی کیا تھا، اس کے خلاف ہونے والے جہاد کی راہ میں کوئی مزاحمت نہیں کی۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

”جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔“

(حسین احمد مدنی: نقش حیات (بیت التوحید، کراچی، ج ۲، ص ۴۱۹)

گردابِ حیرت

مولوی محمد حسین بٹالوی کہتے ہیں: ”مجاہدین، انگریزوں سے جہاد کرنے کو برملا ناجائز کہتے تھے، خوشونت سنگھ کہتا ہے: ”برطانوی حکومت نے دوستوں کے خلاف مجاہدین کی کاروائی پر پابندی عائد نہ کی۔“ مدنی صاحب کہتے ہیں کہ ”انگریزوں نے جنگی سامان کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی“۔ مقامِ حیرت ہے کہ آخری جنگ میں ایک انگریز۔۔۔ الیگزینڈر گارڈنر بھی ”مجاہدین“ کے شانہ بشانہ لڑ رہا تھا اور صرف شریک ہی نہیں، بلکہ ایک دستے کا کمانڈر بھی تھا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریزوں نے مجاہدین کو کس حد تک امداد فراہم کی تھی اور اس پروپیگنڈے کی حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اس تحریک کا اصل مقصد انگریزی حکومت کا خاتمہ تھا گارڈنر، سید صاحب تک کس طرح پہنچا؟ اس کی تفصیل خود اس نے بیان کی ہے:

”امیر (والی کابل، دوست محمد خاں) نے مالِ غنیمت کو تو بخوشی منظور کیا، لیکن موٹے جھوٹے لباس والے اہل سیف کے لشکر کو (اپنی ملازمت میں) قبول نہ کیا، یہ لوگ اپنے برخود غلط اعتماد سے پشیمان اور پریشان ہو کر علاقہ جات باجوڑ کی طرف روزانہ ہوئے، وہاں انہیں میر عالم خاں نے اپنی ملازمت میں (سید احمد غازی کی امداد کے لیے) بھرتی کر لیا۔

سید صاحب اس وقت سکھوں کے خلاف اپنی آخری لڑائی لڑ رہے تھے۔ مذکورہ لشکر کی نفری دو سو پچاس

تک کیسے پہنچ گئی؟ یہ امر واضح نہیں ہوتا۔

جونہی گارڈنر، سید صاحب کی صف آرائی کے مقام پر پہنچا، اس نے ونتورہ کے ہاتھوں اور ان کی شکست وہزیمت کا نظارا کیا، چنانچہ طالع آزما (گارڈنر) نے کسی معرکہ کے بغیر لوٹ مار کے مال سے اپنا حصہ وصول کیا اور اپنے (زیرکمان) فوجیوں کو برخاست کرتے ہوئے انہیں واپسی کا حکم دیا، اسے مالِ غنیمت کی یافت، کن ذرائع سے اور کس طور پر ہوئی؟ یہ امر واضح نہیں۔

اصل عبارت یہ ہے:

The Amir gracefully accepted the booty, but declined the swords of "the men in buckrmam," who, doubtlessly repenting of their misplaced confidence, drifted into the Bajour country, and accepted service with Mir Alam Khan, who hired the band, swollen in some unexplained manner to 250 men, to Syed Ahmad Ghazi, then making his last stand against the Sikhs. Gardiner reached the Syad just in time to see him routed by Ventura, whereupon the adventurer retired, and sharing out the hooty, dismissed his band. Where this booty came from is also unexplained. (Grey: European Adventurers in Northern India, Lahore, 1929,pp.274.).

اس تحریک کا مطالعہ کرنے والا یہ معلوم کرکے حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ یہ تحریک جو سکھوں کے خلاف تھی، اس کا ابتدائی تصادم مسلمانوں سے ہوا:

’’سید صاحب نے پہلا جہاد مسمّٰی یار محمد خاں حاکمِ یاغستان سے کیا تھا‘‘

(عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید (مکتبہ بحر العلوم، کراچی) ج ۲، ص ۲۷۰)

یہ ۱۸۳۰ء کا واقعہ ہے، اس کے بعد پائندہ خاں کو دعوت دی کہ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت کرلو، وہ

بیعت پر آمادہ نہ ہوا، تو اس پر کفر کا فتویٰ لگا کر اس پر چڑھائی کر دی۔ پایندہ خاں جو تمام زندگی سکھوں کے خلاف برسرِ پیکار رہا، اس نے وقتی طور پر سکھوں سے صلح کر لی اور اپنا بیٹا جہاں داد خاں بہ طور ضمانت گروی رکھ کر دو پلٹن فوج حاصل کی۔۔۔ اور مجاہدین سے اپنا علاقہ خالی کرا لیا، بعد میں سکھوں کے ساتھ پایندہ خاں کو جنگیں بدستور ہوتی رہیں۔

(مراد علی، سید: تاریخ تناولیاں، تالیف ۱۸۷۵ء (مکتبہ قادریہ، لاہور) ص ۵۴-۹)

الیگزنڈر گارڈنز جو بعد میں پنجاب آرمی میں کرنل کے عہدے پر فائز ہوا اور مجاہدین کی معیت میں تھا، اس نے اس لڑائی کا چشم دید بیان ان الفاظ میں کیا ہے:

”سید احمد اور مولوی عبدالحی (اس وضاحت میں خوشونت سنگھ کو مغالطہ واقع ہوا ہے، مولوی سے گارڈنر کی مراد مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی ہے، مولوی عبدالحی تو اس واقعہ سے پہلے ۸ شعبان ۱۲۴۳ھ/۱۸۲۸ء کو فوت ہو گئے تھے (ملاحظہ ہو ”حیات سید احمد شہید“ محمد جعفر تھانیسری، مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، ص ۷-۲۳۶)۔“ اپنے بقیہ السیف ہندوستانی پیروکاروں کی ہمراہی میں سکھ فوج کے جنونی اکالیوں کا مقابلہ دست بدست جنگ میں نہایت بے جگری سے کر رہے تھے، انہیں اچانک یہ صورت پیش آئی کہ وہ اپنے لشکروں کی مجموعی قوت بازو سے کٹ کر رہ گئے۔ سید صاحب کا بڑا لشکر جوان سے فاصلے پر تھا، اپنے قائد کے بغیر کسی اچھی جنگی مہارت کا مظاہرہ نہ کر پایا، جونہی میری نظر سید احمد اور مولوی عبدالحی کی جانب اٹھی، تو میں نے دیکھا کہ انہیں سینکڑوں ہتھیاروں سے چھید ڈالا گیا تھا۔ ان دونوں قائدین کے اردگرد جتنے لوگ تھے، ایک ایک کر کے قتل ہوئے (اور سید صاحب کی فوج کا بڑا حصہ اطراف و جوانب میں تتر بتر ہو گیا)۔

جس دم سید صاحب زخمی ہو کر گرے تو میرا ان سے صرف چند سو گز کا فاصلہ تھا، میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی فرشتہ نازل ہوا اور موصوف کو بہشت کی طرف اٹھا کر لے گئے ہو، اگرچہ ان کے بہت سے مریدوں نے بعد میں اپنی یاداشت سے یہ بیان کیا کہ انہوں نے حقیقۃً اس کا مشاہدہ کیا تھا۔“

اصل عبارت ملاحظہ ہو:

Alexander Gardner, who later became a colonel in the Punjab army and was with the crusaderes at the time, gave an

account of this skirmish in the following words:

"Syed Ahmed and the Maulvi (Abdul Haye), surrounded by his surviving Indian followrs, were fighting desperately hand to hand with the equally fanatical Akalis of the Sikh army. They had been taken by surprise and isolated from the main body of the Syed's forces, which fought very badly without their leader. Even as i caught sight of the Syed and Maulve they fell pierced by a hundered weapons. Those around them were slain to a man, and the main body dispersed in every direction.... I was literally within a few hundered yards of the Syed when he fell, but i did not see the angel descend and carry him off to paradise, although many of

گارڈنر کون تھا

اس کا مختصر تعارف یہ ہے کہ وہ ایک مہم جو تھا، امریکہ میں ۱۷۸۵ء میں ایک ڈاکٹر کے ہاں پیدا ہوا۔ ۱۸۱۲ء میں مصر اور ایران ہوتا ہوا افغانستان پہنچا اور امیر دوست محمد خاں والی افغانستان کے بھتیجے امیر حبیب اللہ خاں کے ہاں ملازم ہوا، وہ چونکہ افغانستان کے سیاسی معاملات میں ملوث تھا، اس لیے قندھار میں گرفتار ہوا اور نو ماہ قید رہا۔ وہ موجود صوبہ سرحد میں اس وقت پہنچا جب ''مجاہدین'' سکھوں پر آخری حملہ کرنے کی تیاری میں تھے، اس نے اپنے آپ کو سید احمد بریلوی کے سامنے پیش کیا اور مجاہدین میں شامل ہو گیا۔ مجاہدین کی شکست کے بعد وہ رنجیت سنگھ کی فوج میں کرنل آف ارٹلری بنا دیا گیا۔ اس نے رنجیت سنگھ کی موت ۱۸۳۹ء تک اس کے لیے مہمات میں اہم خدمات انجام دیں۔ ۱۸۴۶ء میں گلاب سنگھ والی جموّں و کشمیر کا ملازم ہو گیا، اور اپنی موت ۱۸۷۷ء تک اسی خدمت پر مامور رہا۔ وہ سیالکوٹ میں دفن کیا گیا۔

تفصیل کے لیے دیکھئے:

Buckland, C.E: Dictionary of Indian Biography, Lahore, 1975, p, 159, Gery, C, European Adventurers of Northern India, ed. by Garrett, Lahore, 1929, p, 274, 265-291.

Khushwant Singh: Ranjit Singh, London, 1962, p (64-65).

انوکھا معیارِ تحقیق

اس جماعت کے کارناموں کو منظر عام پر لانے میں مشہور مؤرخ غلام رسول مہر کا بڑا حصہ ہے۔ انہوں نے تاریخ کی بنیاد حقائق پر رکھنے کی بجائے عقیدت پر رکھی ہے، خود ان کا بیان ہے:

''میں مجاہدین کی شان و آبرو و بہ ہر حال قائم رکھنے کا قائل ہوں، اگر چہ وہ بعض سابقہ بیانات یا توجیہات سے عین مطابق نہ ہو۔'' (شیر محمد پنی، ڈاکٹر: افادات (الشیخ غلام علی، لاہور) ص۲۳۱-۲)

اب اگر کوئی شخص خالص تاریخی نکتۂ نگاہ سے حقائق سے آگاہی حاصل کرنا چاہے، تو اسے اصل آخذ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ عقیدے اور عقیدت کے بنیاد پر تاریخ لکھنے والوں سے اطمینان میسر نہ ہو سکے گا۔

مقصدِ جہاد

کسی بھی کام کی خوبی یا خرابی میں اس کے مقصد کا بڑا دخل ہوتا ہے۔ سید صاحب کی تحریک کا تمام تر رُخ سکھوں کی طرف تھا یا سرحدی مسلمانوں کی طرف، انگریزوں کی طرف ہرگز نہ تھا جیسا کہ اس سے پہلے باحوالہ گزر چکا ہے۔ اس تحریک کے مقصد کا ایک دوسرا پہلو بھی کچھ کم حیرت انگریز نہیں ہے۔

مولوی حسین احمد مدنی لکھتے ہیں:

سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط و اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا جس کے باعث ہندو اور مسلمان دونوں ہی پریشان تھے، اس بناء پر آپ نے اپنے ساتھ ہندوؤں کو شرکت کی دعوت دی اور اس میں صاف صاف انہیں بتا دیا کہ آپ کا واحد مقصد ملک سے پردیسی لوگوں کا اقتدار ختم کر دینا ہے۔ اس کے بعد حکومت کس کی ہوگی؟۔۔۔ اس سے آپ کو غرض نہیں ہے، جو لوگ حکومت کے اہل ہوں گے۔ ہندو ہوں یا مسلمان یا دونوں وہ حکومت کریں گے۔

(حسین احمد مدنی: نقشِ حیات، ج۲، ص۴۱۹)

اس پر علامہ ارشد القادری نے ان الفاظ میں تبصرہ کیا:

”آپ ہی انصاف سے بتائیے کہ مذکورہ حوالہ کی روشنی میں سید صاحب کے اس لشکر کے متعلق سوا اس کے اور کیا رائے قائم کی جاسکتی ہے۔ کہ وہ ٹھیک انڈین نیشنل کانگرس کے رضا کاروں کا ایک دستہ تھا جو ہندوستان میں سیکولر اسٹیٹ (لادینی حکومت) قائم کرنے کے لیے اٹھا تھا“

(ارشد القادری، علامہ: زلزلہ (مکتبہ نبویہ، لاہور) ص ۱۰۰)

علامہ ارشد القادری کی کتاب ”زلزلہ“ پر تبصرہ کرتے ہوئے عامر عثمانی، ایڈیٹر ماہنامہ تجلی، دیوبند نے علامہ ارشد القادری کے اس تبصرہ پر داد دینے میں کسی بخل سے کام نہیں لیا، وہ بطورِ اعترافِ حقیقت لکھتے ہیں:

”ہم کتنی ہی جانبداری سے کام لیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس ریمارک میں لفظاً تلخی آ گئی ہے، لیکن معنوی اور منطقی اعتبار سے بھی اس میں کوئی نقص ہے؟ کوئی افتراء ہے؟ کوئی زیادتی ہے؟

کوئی شک نہیں اگر استادِ محترم حضرت مدنی کے ارشادِ گرامی کو درست مان لیا جائے، تو حضرت اسمٰعیل کی شہادت محضِ افسانہ بن جاتی ہے۔ مادی پریشانیوں کو رفع کرنے کے لیے غیر ملکی حکومت کے خاتمے کی کوشش کرنا ذرا بھی مقدس نصیب العین نہیں، اس نصب العین میں کافر و مومن سب یکساں ہیں، اس طرح کوشش کے دوران مارا جانا اس شہادت سے بھلا کیا تعلق رکھے گا جو اسلام کی ایک معزز ترین اور مخصوص اصطلاح ہے اور اس طرح کی کوششوں کے نتیجہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانا اجر آخرت کا موجب کیوں ہوگا۔ (عامر عثمانی: (تبصرہ) زلزلہ، ص ۱۸۷)

یہ کسی بریلوی کے رشحاتِ قلم نہیں ہیں، جنہیں تعصب قرار دے کر رد کر دیا جائے، یہ ان کے ایک عقیدت مند کا اعتراف ہے، جو بے ساختہ صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گیا ہے۔

دراصل اختلاف عقائد کے سبب، سید صاحب عامۃ المسلمین کو منافق قرار دیتے تھے اور ان کا خاتمہ بھی تحریک کے مقاصد میں اہم مقصد کی حیثیت رکھتا تھا۔ کون نہیں جانتا کہ سرحد اور افغانستان کے مسلمان کٹر سنی حنفی تھے۔ ان کے بارے میں سید صاحب، رئیس قلات، خان خاناں خلجائی کے نام ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

”جناب والا! خود غزنین کے نواح میں منافقین پر چھاپے مارنا شروع کر دیں۔۔۔ اور میں بھی ادھر سے پشاور کے منافقوں کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جب منافقین بدکار کی موجودگی سے وہ مقام پاک ہو جائے تو میں

جلال آباد پہنچ جاؤں گا۔ اور اسی طرح پھر وہاں سے کابل جاؤں گا۔ اس طرح مردود و منافقین جو پشاور سے قندھار تک پھیلے ہوئے ہیں، ان کے پاؤں ایسے اکھڑ جائیں گے۔“

(محمد جعفر تھانیسری: مکتوبات سید احمد شہید (اکیڈمی، کراچی) ص ۴۸)

یہ کون سے لوگ ہیں جنہیں منافقین کہا جا رہا ہے اور جن کے استیصال کے لیے لمبے چوڑے منصوبے بنائے جا رہے ہیں۔ سرسید کی زبانی سنیئے:

”مجھ کو صدہا پہاڑی لوگوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، لیکن میری نظر سے آج تک کوئی پہاڑی پٹھان ایسا نہیں گزرا جو سوائے حنفی مذہب کے اور کسی مذہب کا پیرو ہو یا وہابیت کی جانب ذرا بھی میلان رکھتا ہو۔“ (سید احمد خاں، سر: مقالاتِ سرسید (مجلس ترقیِ ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۳۹)

تاریخ بنانے والے اہلِ قلم، سرحدی پٹھانوں کو غدار قرار دیتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ نظریاتی اور اعتقادی اختلاف کو برداشت کرنے کی بجائے جب تشدد کی راہ اختیار کی گئی، سیدھے سادے مسلمان پٹھانوں کو منافق قرار دیا گیا، ان کے خلاف میدانِ کارزار گرم کیا گیا، ان پر چھاپے مارے گئے، ان کی بیوہ خواتین سے زبردستی نکاح کیا گیا، تو ان سے خیر خواہی کی توقع کس طرح کی جا سکتی تھی؟ وہ بجا طور پر مجاہدین کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھا سکتے تھے۔

”ان کی سختیاں حد سے زیادہ بڑھ گئی تھیں اور بعض اوقات بیوہ خواتین کو مجبور کرتے تھے کہ ان سے نکاح کر لیں۔ اکثر بیوائیں جو بعض حالات میں نکاح ثانی کرنا پسند نہ کرتیں زبردستی مسجد میں لے جا کر نکاح پڑھایا جاتا۔۔۔۔ ان پاکباز مجاہدین سے اگر کوئی ناجائز فعل سرزد نہ بھی ہوتا۔ تو ان کا یہ کام رانڈ بیوہ کی عدت گزر جانے پر ان کا نکاح جبراً کر دینا خواہ ان کی مرضی نہ بھی ہو۔ ان کو بدنام کرنے کے لیے کافی تھا۔“ (سید احمد خاں، سر: مقالاتِ سرسید (مجلس ترقیِ ادب، لاہور) ج ۹، ص ۱۴۰)

اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ مفید رہے گا:

۱۔	سید احمد شہید کی صحیح تصویر	وحید احمد مسعود بدایونی
۲۔	امتیازِ حق	راجا غلام محمد
۳۔	حقائقِ تحریک بالاکوٹ	شاہ حسین گردیزی

۴۔ تاریخ تناولیاں سید مراد علی

۵۔ حقیقت افسانۂ جہاد سید نور محمد قادری

واقعہ ء بالا کوٹ کے بعد

اس واقعہ کے بعد ''مجاہدین'' کی قیادت صادق پور کے علماء کے ہاتھ آئی ، مولوی عنایت علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ راجہ گلاب سنگھ والی کشمیر سے برسرِ پیکار رہے۔ ان کے بڑے بھائی اور سید صاحب کے خلیفہ مولوی ولایت علی اس علاقہ میں پہنچے، تو قیادت ان کے سپرد کر دی گئی۔

ادھر ۱۸۴۹ء میں انگریزی تسلط پنجاب کو لپیٹ میں لے کر صوبہ سرحد تک پہنچ چکا تھا، انگریز جو اس سے پہلے اس تحریک کے پنپنے کے مواقع فراہم کرتا رہا تھا۔ پنجاب سے سکھوں کا کانٹا نکل جانے پر اس نے مجاہدین کو مزید کاروائی سے منع کر دیا، کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو گیا تھا۔

مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:

''کہنا یہ ہے اور صاف صاف کہ جب تک مجاہدین سکھوں سے الجھے رہے، کمپنی کی حکومت خاموش اور غیر جانب دار رہی، سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے''۔ پر ترکوں نے نجد میں عمل کیا تھا، ان کے استادوں نے اس فارمولے پر یہاں عمل کیا۔ مقصود یہ تھا کہ مجاہدین اور سکھوں کی آویزش میں سرکارِ عالی کا کچھ نہ کچھ فائدہ ہی ہو رہے گا، لیکن جونہی پنجاب کا الحاق عمل میں آیا۔ (۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء) کمپنی اور سرکار کی نظر میں مجاہدین سے برا کوئی نہیں تھا۔

(مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۱۱۳)

عبدالرحیم عظیم آبادی لکھتے ہیں:

''اس اثناء میں ملک پنجاب، گورنمنٹ برطانیہ کے تصرف میں آ گیا تھا، جب گلاب سنگھ کا اکثر ملک مجاہدین کے قبضے میں آ گیا اور وہ تاب مقابلہ کی نہ لا سکا۔ مایوس ہو کر سرکارِ انگریزی سے اعانت کا خواہاں ہوا۔'' اس وقت گورنمنٹ انگریزی نے ایک خط بنام مولوی ولایت علی و مولوی عنایت علی علیہما الرحمۃ کے لکھا کہ گلاب سنگھ نے سرکارِ انگریزی سے معاہدہ کیا ہے اور بموجب اس معاہدہ کے اب وہ گورنمنٹ کی حمایت میں ہے۔ اب اس سے لڑنا عین گورنمنٹ سے لڑنا ہے، لہٰذا تم کو چاہیے کہ اب اس سے مت لڑو۔۔۔۔

تب بڑے حضرت (مولوی ولایت علی) نے اس ملک کو چھوڑ کر سوات کے ملک میں جانا چاہا۔ (عبدالرحیم عظیم آبادی: تذکرہ صادقہ (ہادی المطابع، کلکتہ، بارِ اول) ص۱۹-۱۰۰)

بالاکوٹ سے سوات جاتے ہوئے راستہ میں انگریزی فوج نے گھیر لیا۔ اس کے بعد کی تفصیل مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی کی زبانی سنیے:

”اس وقت مجاہدین و جملہ فوج لڑنے کو تیار تھی، مگر جناب مولانا (ولایت علی) نے اپنی عادل گورنمنٹ سے لڑنا مصلحت نہ سمجھ کر اطاعت افسران انگریزی کر لی۔

ان افسروں نے مولانا کو بجائے جانے سوات کے مع لشکر طرف لاہور کے روانہ کر دیا۔ یہ دونوں حضرات مع فوج و توپ خانہ وغیرہ سامان جنگ زیرنگرانی افواجِ انگریزی لاہور میں پہنچے۔ ان ایام میں جان لارنس صاحب بہادر، چیف کمشنر پنجاب کے تھے، صاحب بہادر استقبال کر کے مولوی صاحب کو لاہور میں لائے اور بعد بہت گفتگو کے یہ بات قرار پائی کہ یہ دونوں حضرات مع ہندوستانی مجاہدین کے اپنے وطن کو واپس جائیں اور کل اسلحہ مع توپ خانہ گورنمنٹ کے ہاتھ فروخت کر کے اس کی قیمت سے فوج کی بقایا تنخواہ دے کر برخاست کر دیں، اس وقت صرف پانچ سو مجاہدین آپ کے ساتھ رہ گئے تھے۔ سر جان لارنس صاحب بہادر نے گورنمنٹ کی طرف سے مع کل مجاہدین کے آپ کی دعوت کی دوسرے روز صاحبِ ممدوح نے خود اپنے نج سے دعوت دی۔ تیسرے روز مولوی رجب علی صاحب، نے جو میر منشی کمشنری پنجاب کے تھے، دعوت کی۔

بعد اس کے یہ لوگ بہ اعزاز و اکرام تمام طی مراحل کرتے ہوئے مع فوج مجاہدین پٹنہ پہنچے۔۔۔۔ پھر آپ وہاں سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر تشریف لائے اور بدستور سابق وعظ و نصائح و مراقبہ و مشاہدہ میں مصروف ہوئے۔ (عبدالرحیم عظیم آبادی: تذکرۂ صادقہ، ص۱۰۰-۱۰۱)

اس طویل اقتباس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ وہ تحریک جو سرحد کے سکھوں اور وہاں کے مسلمانوں کے خلاف چلائی گئی تھی، اپنے منطقی انجام کو پہنچ کر ختم ہو گئی تھی۔

چند سال بعد مولوی ولایت علی اور عنایت علی وغیرہ اپنی جائیدادیں فروخت کر کے ستھانہ (سرحد) چلے گئے اور وہیں گوشہ نشین ہو کر درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ (سید طفیل احمد، منگلوری: مسلمانوں کا روشن مستقبل (مطبع علیمی دہلی ۱۹۴۵ء) ص۱۲۲) ستھانہ اور سوات میں یہ لوگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ ان کے نام ہندوستان

سے مالی امداد اور متعلقین کی آمدورفت جاری رہتی تھی۔ انگریز نے جب سرحد میں اپنا تسلط جمانا چاہا، تو اس امداد کے سلسلے کو سختی سے بند کر دیا، ممانعت کے باوجود جن لوگوں نے یہ سلسلہ جاری رکھا، ان پر مقدمات چلائے گئے اور انہیں کڑی سزائیں دی گئیں۔ اس معاملہ میں صادق پور کے علماء سرِ فہرست تھے۔ یہ کہنا قطعاً درست نہیں ہے کہ ان حضرات نے انگریز کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا، اس لیے انہیں نشانہ ستم بننا پڑا۔

سید طفیل احمد منگلوری جو سید صاحب کی تحریک کے دل و جان سے مداح ہیں، لکھتے ہیں:

’’یہ معاملہ متعدد بار گورنمنٹ ہند کے علم میں مقامی حکام کی طرف سے لایا گیا،‘‘ جس پر کوئی باز پرس نہ کی گئی اور صرف نگرانی کا حکم دیا گیا۔

مگر ۱۸۶۴ء میں جب گورنمنٹ ہند نے سرحد میں پیش قدمی شروع کی، تب اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ہندوستان سے سرحد کے تعلقات بالکل قطع کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ۱۸۶۴ء سے ۱۸۷۰ء تک سرحدی محاربات کے دوران میں باشندگانِ ہند پر یکے بعد دیگرے پانچ مقدماتِ بغاوت چلائے گئے۔ ان مقدمات میں سب سے بڑے ملزمان پٹنہ کے خاندان کے لوگ اور ان کے مریدین و متعقدین تھے۔

مولوی ولایت علی کے بڑے صاحبزادے مولوی عبداللہ اپنے والد کے ساتھ ہجرت کر کے چلے گئے تھے۔ ان کے حقیقی چچازاد بھائی مولوی عبدالرحیم اور آخرالذکر کے حقیقی ماموں مولوی یحییٰ علی اور مولوی احمد اللہ سب کے سب ۱۸۶۴ء میں اس جرم میں ماخوذ ہوئے کہ انہوں نے اپنے عزیزوں سے خط و کتابت رکھی اور انہیں مالی امداد بھیجی، حالانکہ یہ سلسلہ ۱۸۶۴ء سے جاری تھا جبکہ حکام گورنمنٹ خود مجاہدین کی ہنڈیوں کا روپیہ انہیں وصول کرا دیتے تھے۔ مولوی عبداللہ اور مولوی یحییٰ علی پٹنہ کے بڑے رؤسا میں تھے اور اول الذکر (مولوی عبداللہ) گورنمنٹ کے مسلم خیرخواہ تھے۔

(طفیل احمد منگوری، سید: مسلمانوں کا روشن مستقبل، ص ۱۲۳)

۱۸۲۴ء اور اس کے بعد عرصہ تک سرمایہ کے سرحد منتقل کرنے پر انگریز نے کوئی پابندی نہ لگائی، بلکہ معاونت کی اور ۱۸۶۴ء کے بعد کیوں پابندی لگا دی؟ وجہ ظاہر ہے کہ انگریز کے مقاصد پورے ہو چکے تھے اور اب انگریز کی نظر میں ان لوگوں کے سرحد میں قیام کا کوئی جواز نہ تھا، لہٰذا اس نے ہندوستان سے سرحد آنے والی مالی امداد کا پوری سختی سے دروازہ بند کر دیا جس کے نتیجے میں سرحد میں چھڑپیں بھی ہوئیں۔

گورنمنٹ سے روابط

مولوی محمد حسین بٹالوی، ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ، اہل حدیث کے فاضل اور فعال عالم اور ان کے ''شیخ الکل'' میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد تھے۔ انہوں نے اپنے فرقہ کا رابطۂ عقیدت ووفاداری برٹش گورنمنٹ سے قائم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

''کسی قوم کی ترقی (جس میں مذہبی ترقی میں بھی شامل ہے) دنیاوی اسباب سے قطع تعلق کرنے سے نہیں ہوئی اور نہ ہوسکتی ہے اور موجودہ الوقت سلطنت سے ارتباط اور اس کی پالیسی کی مراعاۃ اور اس کے حضور عقیدت وانقیاد اور ارکانِ سلطنت سے رابطۂ محبت واتحاد، اسبابِ دنیاوی سے ایک عمدہ اور قوی التاثیر سبب ہے۔'' (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۴)

یہ خیال کسی کو پیدا نہ ہوا کہ مذہب بلا استعانتِ اسبابِ حسنِ معاشرت چل نہیں سکتا اور سلطنت وقت کے حضور میں اظہارِ عقیدت اور ارکان وسلطنت سے ارتباط وموانست، اسبابِ دنیاوی سے اعلیٰ سبب ہے۔ اسی بے خیالی میں وہ (اہل حدیث) اپنی مسجدوں میں صحیح بخاری کا درس کرتے رہے یا کسی حجرہ میں خلوت گزیں ہوکر یا حیّ یا قیوم پڑھتے رہے اور کسی سے منجملہ اعیان ملک یا ارکانِ سلطنت ارتباط واتحاد کا تعلق پیدا نہ کیا اور نہ کسی کے آگے اپنی عقیدت واطاعتِ سلطنت کا اظہار کیا

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۵)

بقول بٹالوی صاحب اسی طرزِ عمل کا نتیجہ تھا کہ مخالفین نے حکومت کو یہ تاثر دینا شروع کر دیا کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے مخالف ہیں:

''ان کا اور ان کے حریفوں کا یہ حال دیکھ کر اس کے خادم ووکیل ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ کو یہ تعجب انگریز (انگیز) خیال پیدا ہوا کہ ہندوستان کے تمام طبقات رعایا سے صرف یہی ایک فرقہ ''اہل حدیث'' ہے۔ جو اس سلطنت کے زیر سایہ رہنے کو بلحاظِ امن وآزادی، اسلامی سلطنتوں کے زیر سایہ رہنے سے بھی بہتر جانتا ہے، کیونکہ اس فرقہ کو بجز اس سلطنت کے کسی اور سلطنت میں (اسلامی کیوں نہ ہو) پوری آزادی حاصل نہیں ہے۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۵-۶)

یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر بٹالوی صاحب نے جماعتِ اہل حدیث کا خصوصی رابطہ گورنمنٹ سے قائم

کیا اور تمام وفاداریاں حکومت کو پیش کر دیں۔

”اُدھر اپنی مہربان گورنمنٹ سے ارتباط اور ارکان سلطنت سے رابطۂ ملاقات پیدا کیا، قوم (اہل حدیث) کے وفادارانہ و مطیعانہ خیالات کو گورنمنٹ تک پہنچایا اور گورنمنٹ کی نظر عنایت شاہانہ کو قوم کی طرف متوجہ کیا“۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۶)

پھر اپنی قوم کے تمام افراد اور طبقات کو پرزور اپیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”اس تمہید کو پڑھ کر امید ہے ہمارے اخوان اہل حدیث، خصوصاً ان کے اکابر و رہبر اس ضرورت کا بڑھ کر ہونا تسلیم کریں گے، بلکہ خود بھی ”اشاعۃ السنۃ“ کی تقلید اختیار کر کے جابجا اسی قسم کی کاروائیاں شروع کر دیں گے۔ واعظین و مدرسین اپنی مجالسِ وعظ و درس میں اور مصنفین اپنی کتب و رسائل میں اس قسم کے مضامین شائع کریں گے اور قولاً و عملاً گورنمنٹ پر اپنے سچے اور وفادارانہ خیالات ظاہر کرنے میں سرگرمی سے کوشش کریں گے۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۱۹۶)۔

اس کاروائی کا ایک حصہ، اہل حدیث نام الاٹ کرانے کی کوشش اور درخواست تھی (جس کا مختصر تذکرہ گزشتہ صفحات میں کیا جا چکا ہے) اس درخواست کی توثیق پورے ہندوستان کے اہل حدیث نے کی اور تین ہزار ایک سو چھتیس (۳۱۳۶) اعیان و اشخاص نے دستخط کیے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ بٹالوی صاحب کی کاروائی سے تمام اہل حدیث متفق تھے۔

ہدیہ تشکر

مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواستوں اور پے در پے کوششوں سے انگریزی حکومت نے اس فرقہ کا نام اہل حدیث تسلیم کر لیا۔ اس احسانِ عظیم کا شکریہ دل و جان سے ادا کیا گیا اور ہدیہ تشکر کے اظہار کے لیے کوئی موقع ہاتھ سے نہ دیا۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ فرقہ اہل حدیث گورنمنٹ کے اس حکم سے اپنی کامل حق رسی کا معترف ہے اور اپنے ہر دلعزیز اور مسلمانوں کے خیر خواہ ”وائسرائے لارڈ ڈفرن“ اور اپنے پیارے رحم دل اور فیاض لفٹیننٹ گورنر ”سر چارلس ایچی سن“ کا تہِ دل سے شکر گزار ہے اور بعوض و شکریہ اس احسان اور احسانات سابقہ گورنمنٹ کے (جو بشمول دیگر رعایا خصوصاً اہل اسلام اس فرقہ پر مبذول ہیں) علی الخصوص احسان آزادی مذہبی کے (جس سے یہ فرقہ عام اہل

اسلام سے بڑھ کر ایک خصوصیت کے ساتھ فائدہ اٹھا رہا ہے) اہل حدیث لاہور نے جشنِ جوبلی کی تقریب پر کمال مسرت ظاہر کی اور قیصرۂ ہند کی پنجاہ سالہ حکومت کی خوشی میں اہل اسلام کی مکلّف ضیافت کی جس میں رؤسا، شرفاء، علماء عام اہلِ اسلام رونق افروز ہوئے۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ۷، ص۲۰۳)

تعداد اہل دعوت کا ٹھیک ٹھیک اندازہ نہیں ہو سکا، مگر ناظرین و حاضرین کے قیاس میں سات آٹھ ہزار اشخاص کا مجمع تھا۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ۷، ص۲۰۴)

۲۔ اس دعوت میں گورنر پنجاب اور اس کے سیکریٹریوں سے بھی شمولیت کی درخواست کی گئی تھی۔ انہوں نے فرصت نہ ہونے کے سبب معذرت کر دی، تاہم انہیں ہدیہ نیاز پیش کرنے کے لیے ایک دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا۔

”اس دعوت کے مقام (مولوی الٰہی بخش کی کوٹھی) کے عین دروازہ کے سامنے سے رات کے وقت ملاحظہ روشنی کے لیے نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر کا گزر کرنا مقرر تھا، اس جگہ اہل حدیث نے ایک بلند اور وسیع دروازہ بنایا جس پر سنہری حرفوں میں ایک طرف انگریزی میں یہ کلماتِ دعائیہ مرقوم تھے:

THE AHL-I-HADIS WISH EMPRESS ALONE LIFE

(اہل حدیث چاہتے ہیں کہ قیصر ہند کی عمر دراز ہو)

دوسری طرف لاجوردی رنگ سے یہ بیت اردو ؎

دل سے ہے یہ دعائے اہل حدیث
جشن جوبلی مبارک ہو

اس دروازہ سے لیفٹیننٹ گورنر اور ان کے مصاحبوں اور رئیسوں کی سواریوں کا گزر ہوا تو سب کی نگاہیں ان کلماتِ دعائیہ کی طرف (جو لیمپ جھاڑ اور مہتابیوں کی روشنی سے روز روشن کی طرح نمایاں تھی) لگی ہوئی تھی اور اکثر کی زبان سے کلمہ ”اہل حدیث“ جاری تھا۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج۹، شمارہ۷، ص۵-۲۰۴)

۳۔ اسی خوشی و مسرت و عقیدتِ سلطنت کے اظہار کے لیے اسی رات دس بجے اہل پنجاب کی مختلف سوسائٹیوں کے ایڈریس مبارکباد پیش ہوئے۔ ان میں دسویں نمبر پر ”اہل حدیث“ کا ایڈریس جس کی نقل حاشیہ

میں ہے، بذریعہ ڈیپوٹیشن پیش ہوا۔ اس ایڈریس پر مختلف اضلاح ہندوستان و پنجاب بمبئی، مدارس و بنگال وغیرہ اعیانِ اہل حدیث کے دستخط ثبت تھے۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، ص ۲۰۵-٦)

یہ سپاسنامہ بھی ملاحظہ ہو، اس کے ایک ایک حرف سے عقیدت و نیاز کے فوارے پھوٹتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں:

ایڈریس گروہ مسلمانانِ اہل حدیث
بحضور فیض گنجور کوئین وکٹوریہ ملکہ گریٹ برٹن
وقیصرۂ ہند بارک اللہ فی سلطنتہا

(۱) ہم ممبرانِ گروہ اہل حدیث اپنے گروہ کے کل اشخاص کی طرف سے حضور والا کی خدمتِ عالی میں جشن جوبلی کی دلی مسرت سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

(۲) برٹش رعایائے ہند میں کوئی فرقہ ایسا نہ ہوگا جس کے دل میں مبارک تقریب کی مسرت جوش زن نہ ہوگی اور اس کے بال بال سے صدائے مبارکباد نہ اٹھتی ہوگی۔ مگر خاص کر فرقہ اہل اسلام جس کو سلطنت کی اطاعت اور فرماں روائی وقت کی عقیدت اس کا مقدس مذہب سکھاتا ہے اور اس کو ایک فرضِ مذہبی قرار دیتا ہے۔ اس اظہار مسرت اور ادائے مبارکباد میں دیگر مذاہب کی رعایا سے پیش قدم ہے۔

علی الخصوص گروہِ اہل حدیث من جملہ اہلِ اسلام اس اظہار مسرت و عقیدت اور دعائے برکت میں چند قدم اور بھی سبقت رکھتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ جن برکتوں اور نعمتوں کی وجہ سے یہ ملک تاجِ برطانیہ کا حلقہ بگوش ہو رہا ہے ازاں جملہ ایک بے بہا نعمت مذہبی آزادی ہے یہ گروہ ایک خصوصیت کے ساتھ اپنا نصیبہ اٹھا رہا ہے۔

(۳) وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہ مذہبی آزادی اس گروہ کو خاص کر اسی سلطنت میں حاصل ہے، بخلاف دوسرے اسلامی فرقوں کے کہ اُن کو اور اسلامی سلطنتوں میں بھی یہ آزادی حاصل ہے۔ اس خصوصیت سے یقین ہوسکتا ہے کہ اس گروہ کو اس سلطنت کے قیام و استحکام سے زیادہ مسرت ہے اور ان کے دل سے مبارکباد کی صدائیں زیادہ زور کے ساتھ نعرہ زن ہیں۔

ہم بڑے جوش سے یہ دعا مانگتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ حضور والا کی حکومت کو اور بڑھائے اور تادیر حضور والا کی رعایا کا نگہبان رہے تا کہ حضور والا کی رعایا کے تمام لوگ حضور کی وسیع حکومت میں امن وتہذیب کی برکتوں سے فائدہ اٹھائیں۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۷، حاشیہ ص ۲۰۵-۶)

۱۸۸۶ء میں ملکہ وکٹوریہ کی حکومت کا جشن پنجاہ سالہ (گولڈن جوبلی) سرکاری طور پر منایا گیا تھا جس میں جماعت اہل حدیث، لاہور نے مذکورہ بالا سپاسنامہ پیش کیا تھا۔

(پیام شاہجہانپوری: پندرہ روزہ تقاضے، لاہور (۱۵ مارچ و یکم اپریل ۱۹۸۳ء) ص ۳۷)

۱۸۸۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی طرف سے اس ایڈریس کی منظوری کا پروانہ جاری کیا گیا جسے اشاعۃ السنۃ میں ان الفاظ میں شائع کیا گیا۔

ملکہ ”معظمہ“ کی طرف سے اہل حدیث کو خطاب

ہم اس مژدہ کے سنانے سے بھی نہیں رہ سکتے کہ ہماری مہربان ملکہ معظّمہ انگلینڈ و قیصر ہند نے اہل حدیث کے ایڈریس میں موقعہ جوبلی کو کمالِ مسرت کے ساتھ قبول فرمایا ہے اور ازراہِ عنایت خسروانہ گروہ اہل حدیث کا شکریہ ادا کیا ہے۔ اس شکریہ میں اس گروہ کو اُسے اہل حدیث خطاب ”اہل حدیث“ سے مخاطب کیا گیا ہے جو ان کے کمال امتیاز اعزاز کا موجب ہے۔ اس اعزازِ شاہانہ و اکرامِ خسروانہ ملکہ معظّمہ قیصرِ ہند پر اہل حدیث ہند کمال ادب وانکسار کے ساتھ اپنی مہربانی ایمپرس کا شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کی درازی عمر و تر کی توفیق و اقبال کے لیے دست بدعا ہیں۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۶)

اس کے بعد دو مکتوب پیش کیے گئے ہیں، جن میں ایڈریس کی قبولیت کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ ذیل میں ایک مکتوب کی نقل پیش کی جاتی ہے:

نمبر ۱۴۶۷ء۔ ہوم ڈیپارٹمنٹ (پبلک)

از طرف: جے۔ پی ہیوٹ صاحب۔ انڈر سیکرٹری گورنمنٹ ہند

بنام: ممبرانِ اہل حدیث پنجاب

مقام شملہ ۱۱ جون ۱۸۸۸ء

صاحبانِ شرفا! مجھے یہ کہنے کی ہدایت ہوئی ہے کہ صاحب سکرٹری آف اسٹنٹ نے اطلاع دی ہے کہ ہر میجسٹی ملکہ معظّمہ قیصر نے بالطاف خسروانہ اس ایڈریس وغیرہ کو قبول فرمایا ہے جو آپ صاحبان نے ہر میجسٹی کی خدمت میں جوبلی کے موقعہ پر پیش کیا تھا اور ارشاد فرمایا ہے کہ ہر میجسٹی کا خاص شکریہ آپ لوگوں کو اس خیر خواہانہ نذرانہ کے لیے پہنچایا جائے۔

مجھے اے صاحبان آپ کا نہایت فرمانبردار ملازم ہونے کی عزت حاصل ہے۔

جے۔ پی۔ ہیوٹ
انڈر سکرٹری گورنمنٹ ہند

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۷)

ملکہ برطانیہ کی گولڈن جوبلی کے موقع پر اہل حدیث نے جس خوشامد اور اظہار عقیدت و وفاداری کا اظہار کیا۔ وہ صرف ظاہر داری کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ دلی جذبات کی ترجمانی تھا۔ نیز اس پر انہیں کبھی ندامت نہیں ہوئی، بلکہ اس طرزِ عمل کے جواز پر انہوں نے شریعت کے حوالے سے دلائل بھی پیش کیے، محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"اس مضمون میں دلائل کتاب وسنت کا بیان دو غرض سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ گورنمنٹ کو یہ یقین ہو کہ اس موقع پر مسلمانوں نے جو کچھ کیا ہے، سچے دل سے کیا ہے اور اپنے مقدس مذہب کی ہدایت سے کیا ہے۔ صرف ظاہر داری اور جھوٹی خوشامد سے کام نہیں لیا۔

دوسری یہ کہ ناواقف مسلمانوں کے اس فعل میں عدم جواز اور مخالفتِ شریعت کا وہم وگمان پیدا نہ ہو۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۲۸)

مزید لکھتے ہیں:

"پس واضح ہو کہ جو کچھ اس موقع پر اہل حدیث نے کیا ہے، وہ امور ذیل ہیں:

(۱) ملکہ معظّمہ کی تعظیم کرنا اور تعظیمی الفاظ سے اس کو یاد کرنا۔

(۲) ملکہ معظّمہ کی حکومت پنجاہ سالہ پر خوشی کرنا اور اس خوشی میں مسلمانوں کو کھانا کھلانا۔

(۳) برٹش سلطنت کی اطاعت وعقیدت کو ظاہر کرنا اور اس کو فرضِ مذہبی بتانا۔

(۴) اس سلطنت کی برکات واحسانات (امن آزادی وغیرہ) کا معترف ہونا اور اس پر ملکہ معظّمہ اور

سلطنت کی تعریف کرنا اور شکر گزار رہونا۔

(۵) ملکہ معظّمہ اور اس کی سلطنت کے لیے دعاء سلامت وحفاظت و برکت کرنا وعلیٰ ہذا القیاس ان امور میں کوئی امر بھی ایسا نہیں ہے جس کے جواز پر شریعت کی شہادت پائی نہ جاتی ہو۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ۸، ص ۲۲۹)

لارڈ ڈفرن کے حضور

غالباً ۱۸۸۸ء میں ہندوستان کے گورنر جنرل اور وائسرائے لارڈ ڈفرن کے حضور، جماعت اہل حدیث نے اس کی وطن واپسی کے موقع پر ایک سپاسنامہ پیش کیا۔ سپاسنامہ کیا ہے؟ عقیدت ووفاداری کا نچوڑ پیش کر دیا گیا ہے اور بقول بٹالوی صاحب:

”ڈیپوٹیشن دھوم دھام کا تھا۔“ (محمد حسین بٹالوی ؒ اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۳)

سپاسنامہ فارسی میں تھا، اس کا ترجمہ مع تلخیص پیش کیا جاتا ہے:

حضور والا!

ہم فرقہ اہل حدیث کے چند ارکان اور پنجاب اور ہندوستان کے دیگر اسلامی فرقوں کے چند اشخاص اپنی طرف سے اصالۃً اور اپنے دیگر ہم مشربوں کی طرف سے وکالۃً، اس والا درجات کے احسانات کا شکریہ ادا کرنے اور اس ذات ستودہ صفات کی مفارقت پر اظہارِ غم کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں۔

”خیر اندیشوں“ اور ”جاں نثاروں“ کے مذہب کے مطابق کمالِ عجز وانکسار کے ساتھ عرضِ مدعا کی اجازت چاہتے ہیں۔ اس کرم گستر اور عدل پرور کے عہد سعادت مہد کی برکتیں اور احسانات، بارانِ رحمت، عمیم البرکت کی طرح اس اطاعت شعار علاقہ کے تمام لوگوں اور تمام قوموں پر برسے ہیں۔ (جیسے مملکت میں قیامِ امن حدود سلطنت کا استحکام، پبلک سروس کمیشن کا تقرر اور لیڈی ڈفرن فنڈ کی تجویز وغیرہ۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے دوسری قوموں کی طرف اور ان کے برابر ان سے کافی ووافی حصہ حاصل کیا ہے۔ ”حضور پرنور“ کے بعض انعامات اور احسانات ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن سے استفادہ کرنے میں اہلِ اسلام عموماً اور اہل حدیث خصوصاً سبقت لے گئے ہیں اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور پر فرقہ اہل حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراں قدر احسانات ایسے ظاہر ہوئے ہیں جن

سے استفادہ کرنے میں اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث سبقت لے گئے ہیں اور ایک قسم کی خصوصیت پیدا کی ہے۔

خاص طور پر فرقہ اہل حدیث کے لیے جو عظیم مہربانی اور گراں قدر احسان روا رکھا ہے، وہ یہ ہے کہ ان کے حق میں لفظ وہابی کا استعمال سرکاری دفاتر میں ممنوع قرار دے دیا ہے جو ان کی دل آزاری کرتا تھا اور ان کی وفاداری اور جاں نثاری جو نازک وقتوں میں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے اور سرکارِ والا کے نزدیک بھی مسلم ہے، ناواقفوں کی نظر میں مشکوک بنا دیتا تھا، اس طرح بے خبروں کی بدگمانیوں کو ختم کر دیا۔

اہل اسلام عموماً اور اہل حدیث پر خصوصاً ان انعامات عامہ وخاصہ پر نظر کرتے ہوئے ہزار زبان سے اس والا دودمان کے احسان کا شکریۂ دل سے بجالاتے ہیں اور اس مظہر جود واحسان کی قبل از وقت مفارقت پر اشکِ حسرت بہاتے ہیں اور دلی رنج کو اس آرزو کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ کاش ہما کا ہم پلہ سایہ، مقررہ میعاد تک ان کے سروں پر پھیلا رہتا اور حکومت کی مدد دوگنا ہو جاتی تا کہ فوائد ومنافع، مسلمانوں کا نصیب ہو کر بارِ احسان ان کے کندھوں پر رکھ دیتے۔

آخر میں حضور موفور السرور کی ناگزیر مفارقت پر فراق گزیدہ بے چارے، صبر وسکون کا دامن پکڑ کر اس دعائے خیر کے ساتھ اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں کہ خداوندِ عالم، ذات مکرمت صفات کو امن وعافیت کے ساتھ وطن مالوف تک پہنچائے اور اس جگہ روز افزوں ترقی اقبال عطا فرما کر اہل اسلام کے فائدے اور بہتری کے لیے سرچشمہ بنائے۔

اور تاج وتخت برطانیہ جس کی نیابت کا شرف جناب والا کو حاصل ہے، کو تمام تر قیام واستحکام فرما کر ملک کے لیے موجب امن وبرکت اور مسلمانوں کی حفاظت واستحکام عطا فرما کر ملک کے لیے موجبِ امن وبرکت اور مسلمانوں کی حفاظت وحمایت کا باعث بنائے۔

ہم ہیں حضور کی وفادار اور جاں نثار رعایا

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ص ۴۱-۴۰)

اگر زحمت نہ ہو تو ایک دفعہ پھر اس سپاسنامے کو پڑھ لیجیے اور خیر اندیشوں اور جاں نثاروں کا حضور پُر نور، کرم گستر اور عدل پرور کی بارگاہ میں یہ فدویانہ اعتراف ملاحظہ فرمائیے کہ آپ کے بعض انعامات وہ ہیں جن کے

حصول میں اہل حدیث خصوصیت کے ساتھ سبقت لے گئے ہیں اور پھر نگاہِ حیرت سے یہ نظارہ بھی دیکھئے کہ ان کی جبین پر عرق انفعال نام کی کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی:

”اور پھر مولانا محمد حسین بٹالوی کے متعلق ماسوا اس کے کہ انہوں نے انگریز گورنر کے پنجاب یونیورسٹی کی بنیاد رکھنے، لوکل گورنمنٹ کے اجراء چیفس کالج کے قائم کرنے، پبلک لائبریری کے بنانے اور طلبہ کو وظائف دینے پر اس کا شکریہ ادا کیا ہے اور کون سی چیز ہے جس پر انہیں مطعون کیا جا سکتا ہے۔“ (ظہیر: مرزائیت اور اسلام، ص ۲۳۳)

اسے کہتے ہیں کہ اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ اگر بٹالوی صاحب کے سپاسنامے میں طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے، بلکہ انگریزی حکومت سے مربعے حاصل کرنے اور حرمتِ جہاد کا فتویٰ دینے اور خوشامدوں کے طور مار کھڑے کر دینے میں بھی آپ کے نزدیک طعن کی کوئی وجہ نہیں ہے تو پھر کہہ دیجئے کہ دنیا میں کسی ایسی چیز کا وجود ہی نہیں ہے جس پر طعن کیا جا سکے۔

جان چھڑانے کا ایک تعجب خیز انداز بھی دیکھتے چلئے:

رہا معاملہ محمد حسین بٹالوی کے دو ایڈریسوں کا تو ہم اس سلسلہ میں متنبّی قادیانی کی امت کی طرح کسی طرح کی تاویل و تحریف کے چکر میں پڑنے کی بجائے اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ اگر کسی فرد یا چند افراد نے ایسا کیا تو غلط کیا، ہم انہیں نہ معصوم سمجھتے ہیں اور نہ صاحبِ شریعت کہ ان کی ہر بات ہمارے لیے حجت و سند ہو قوم میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن سے غلطیوں اور لغزشوں کا صدور ہوتا ہے۔ ان سے مجموعی طور پر قوم کے دامن پر دھبہ نہیں لگ سکتا اور نہ ہی ان کی بناء پر کسی گروہ کو مطعون کیا جا سکتا ہے۔ (ظہیر: مرزائیت اور اسلام، ص ۲۳۳)

مقام عبرت ہے کہ جب اس ایڈریس میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس پر کسی کو مطعون کیا جا سکے، تو اس برات کی کیا ضرورت؟ پھر یہ معاملہ ایک فرد یا چند افراد کا نہیں ہے۔ اس سپاسنامے پر دستخط کرنے والے اس وقت کے اہل حدیث کے تمام بڑے بڑے ستون اور قائدین شامل ہیں اور حد یہ کہ ”شیخ الکل“ میاں نذیر حسین دہلوی کے دستخط سرفہرست ہیں۔ انصاف و دیانت کا پتا اس وقت چلے گا، جب ان سب سے اظہار برات کر دیا جائے گا، ورنہ گلوخلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے۔

اس سپاسنامے پر دستخط کرنے والوں کے چند نام ملاحظہ ہوں علیہم رحمۃ اللہ

مولوی سید محمد نذیر حسین دہلوی (شیخ الکل)

ابو سعید محمد حسین (بٹالوی) وکیل اہل حدیث ہند

مولوی محمد یونس خاں، رئیس دتاولی، علی گڑھ

مولوی قطب الدین، پیشوائے اہل حدیث، روپڑ

مولوی محمد سعید، بنارس

مولوی الٰہی بخش پلیڈر، لاہور

مولوی سید نظام الدین پیشوائے اہل حدیث، مدراس، وغیرہ وغیرہ۔

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ۴۱-۴۲)

اس سپاسنامہ کے جواب میں وائسرائے لارڈ ڈفرن نے جو کچھ کہا، اس کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

صاحبان! میں اس ایڈریس کے لیے جو ابھی آپ نے مجھے دیا ہے، آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور آپ کے خیر خواہانہ اظہارِ عقیدت، نسبت برٹش گورنمنٹ کو سن کر خوش ہوتا ہوں اور میں خلوصِ دل سے امید کرتا ہوں کہ شمالی مغربی سرحد کو استحکام دینے کی وجہ سے (جس میں آپ میں سے اکثر بوجہ اس کے کہ سرحدی صوبہ کے باشندے ہیں، خاص دلچسپی رکھتے ہیں) جو امن اس وقت ہمیں حاصل ہے، قائم رہے گا۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۱، شمارہ ۲، ۴۳)

لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ایچی سن کے حضور

۲۴/ مارچ ۱۸۸۷ء کو گورنر پنجاب کی رخصت پر اہل حدیث نے ایک سپاسنامہ پیش کیا جس میں اظہار عقیدت ووفاداری کا وہی والہانہ انداز ہے جو لارڈ ڈفرن کے سپاسنامہ میں ہے۔ اس سپانامہ کا ایک حصہ نقل کیا جاتا ہے:

ایڈریس منجانب فرقہ اہل حدیث وممبران دیگر فرقہا اہلِ اسلام بحضور سر چارلس امفرسٹن آچیسن صاحب بہادر کے۔ سی۔ ایس۔ آئی۔ سی۔ آئی۔ ای۔ ایل ایل۔ ڈی لیفٹیننٹ گورنر پنجاب وغیرہ۔ ہم ممبران فرقہ اہل حدیث ودیگر فرقہائے اہل اسلام حضور والا کی عالی خدمت میں اس موقعہ پر (جب کہ حضور اس صوبہ سے مرخص ہوتے ہیں) کمال ادب و اخلاص کے ساتھ حضور والا کے خسروانہ احسانات ومربیانہ عنایات کا شکریہ ادا کرنے اور حضور کی

مفارقت پر دلی افسوس ظاہر کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں۔

حضور والا کے شاہانہ عنایات و مربیانہ توجہات ابتدا رونق افروزی ہندوستان سے اس عہد گورنری تک اس ملک ہندوستان پر اس کثرت و تواتر سے مبذول رہی ہیں کہ اگر ان کو متواتر باران رحمت یا موجزن دریا موہبت کہا جائے تو بیجا نہیں ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

خاتمہ میں ان کلماتِ دعائیہ کی عرض پر اکتفاء کرتے ہیں کہ خداوند عالم حضور فیض گنجور کو صحت و سلامتی کے ساتھ وطن مالوف میں پہنچائے اور پھر بہت جلد حضور کو عہدۂ گورنر جنرل پر مامور معزز فرما کر ہندوستان میں لاوے اور ہماری آنکھوں کو دوبارہ حضور کے دیدار فیض آثار سے منور کرے۔ آمین ثم آمین

بوطن رفتنت مبارک باد
بسلامت روی و باز آئی

دربار دھلی میں ارمغانِ عقیدت

اہل حدیث کی تاریخ یہ رہی ہے کہ انہوں نے حکومتِ برطانیہ کی خوشامد کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”خاکسار نے بمشورہ بعض اعیان اہل حدیث پنجاب و بنگال، گورنمنٹ پنجاب سے اس مضمون کی درخواست کی کہ ہر چند مختلف اضلاع اور شہروں کے تمام جلسوں میں، جن میں اہل اسلام ہندوستان نے بتقریب تاجپوشی ہر میجسٹی کنگ امپرر مسرت کا اظہار کیا ہے۔ مسلمانانِ اہل حدیث بھی شامل رہے ہیں مگر خاص موقع دربارِ دہلی میں وہ لوگ خصوصیت کے ساتھ اظہار مسرت چاہتے ہیں۔۔۔

اس درخواست کے جواب میں سکرٹری گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے یادداشت نمبری ۲۳۹ دفتر اشاعۃ السنۃ میں موصول ہوئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تخت نشینی ہر میجسٹی کنگ امپرر کی تقریب پر ہندوستان کے مختلف فرقوں کو ایڈریس مبارک باد پیش کرنے کا کئی دفعہ موقع دیا گیا ہے، لہٰذا گورنمنٹ ہند کی تجویز نہیں ہے کہ اب دربار میں کوئی ڈیپوٹیشن ایڈریس پیش کرے۔ ہاں فرقہ اہلحدیث معمولی طور پر گورنمنٹ ہند کی خدمت میں مبارک باد کا ایڈریس پیش کرے تو گورنمنٹ ہند کو اس کے قبول کرنے میں عذر نہ ہوگا (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۴)

کوئی وجہ نہ تھی کہ خصوصی طور پر ہدیۂ عقیدت پیش کرنے کی اجازت نہ دی جاتی کیوں کے حکومتِ برطانیہ کو یہ جاں نثاری اوروفاداری کسی دوسرے فرقہ سے نہیں ملی تھی۔

الاقتصادی فی مسائل الجهاد

مولوی محمد حسین بٹالوی اہل حدیث کے وکیل اور سرکردہ علماء میں سے تھے۔ ۱۷/محرم ۱۲۵۲ھ/۱۸۴۰ء کو پیدا ہوئے اور ۱۳۳۸ھ/۲۰-۱۹۱۹ء میں فوت ہوئے۔

حکیم عبدالحیٔ لکھنوی لکھتے ہیں:

الشيخ الفاضل ابو سعيد محمد حسين بن رحيم بخش بن ذوق محمد الهندى البطالوى احد كبار العلماء

(عبدالحی لکھنوی، مورخ: نزہتہ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۲۷)

گزشتہ صفحات میں انگریزی حکومت سے روابط کا تذکرہ زیادہ تر ان ہی کے حوالہ سے کیا گیا ہے اور ان معاملات میں زیادہ تر وہی پیش پیش رہے ہیں۔

۱۸۷۶ء میں انہوں نے ایک رسالہ الاقتصاد لکھا جس میں انہوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ہندوستان تو ہندوستان دنیا کے کسی بھی اسلامی ملک کے مسلمانوں کا گورنمنٹ سے جہاد جائز نہیں۔

”۱۸۷۶ء میں ایڈیٹر اشاعۃ السنۃ رسالہ اقتصاد فی مسائل الجہاد تالیف کر چکا ہے جس میں قرآن وحدیث اور فقہی دلائل سے ثابت ومدلل ہے کہ اس گورنمنٹ سے مسلمانوں، کا ہند کے ہوں خواہ روم یا عرب کے مذہبی جہاد جائز نہیں اور اسی سال پنجاب کے عام اہل حدیث نے بذریعہ ایک عرضداشت اپنی عقیدت اطاعت گورنمنٹ کا اظہار کیا تھا، جس پر گورنمنٹ کی طرف سے اس کی تائید وتصدیق میں ایک سرکلر جاری ہوا تھا جو ”اشاعۃ السنۃ“ نمبر ۹، جلد ۸ میں منقول ہو چکا ہے۔“ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۹، شمارہ ا، ص ۲۶)

هندوستان دارالاسلام هے

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

”جس شہر یا ملک میں مسلمانوں کو مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی حاصل ہو، وہ شہر یا ملک دارالحرب نہیں کہلاتا، پھر اگر وہ دراصل مسلمانوں کا ملک یا شہر ہو، اقوام غیر نے اس پر تغلب سے تسلط پا لیا ہو، (جیسا کہ

ملک ہندوستان ہے) تو جب تک اس میں ادائے شعائرِ اسلام کی آزادی رہے، وہ بحکم حالتِ قدیم دارالاسلام کہلاتا ہے۔" (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد (وکٹوریہ پریس) ص۱۹)

دنیا کا کوئی مسلمان بادشاہ گورنمنٹ سے جہاد نہیں کرسکتا۔

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

"اس مسئلہ اور اس کے دلائل سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ملک ہندوستان باوجود یکہ عیسائی سلطنت کے قبضہ میں ہے، دارالاسلام ہے۔ اس پر کسی بادشاہ کو عرب کا ہو خواہ عجم کا، مہدی سوڈان ہو یا خود حضرت سلطان (ترکی بادشاہ) شاہ ایران ہو خواہ امیر خراسان، مذہبی لڑائی و چڑھائی کرنا جائز نہیں ہے۔"

جہاد کہیں بھی نہیں ہو سکتا

مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

"دو نتیجوں سے ایک اور نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بھی شرعی جہاد کی کوئی صورت نہیں ہے، کیونکہ اس وقت نہ کوئی مسلمانوں کا امام موصوف بصفات وشرائط امامت موجود ہے اور نہ اُن کو ایسی شوکت و جمعیت حاصل ہے جس سے وہ اپنے مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی اُمید کرسکیں۔

ہم جب کبھی بعض اخبارات میں یہ خبر دیکھتے ہیں سلطنتِ روم یا ریاست افغانستان وغیرہ بلادِ اسلام سے جہاد کا اشتہار دیا گیا ہے، تو ہم کو سخت تعجب ہوتا ہے اور اس کا خبر کا یقین نہیں آتا اور یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت روئے زمین پر امام کہاں ہیں جس کی پناہ میں اور اس کے امرو اجازت سے مسلمان جہاد کرسکیں اور ایسی جمعیت وشوکت کس کو میسر ہے جس سے وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر فتح یاب ہونے کی امید رکھیں۔ (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد، ص۷۲)

بعض لوگ جب تسلیم سے راہِ فرار اختیار نہیں کرسکتے، تو یہ عذر تراشتے ہیں کہ اس قسم کی کاروائیوں کی ذمہ داری بٹالوی صاحب یا چند دیگر افراد کے سر ہے، (ظہیر : مرزائیت اور اسلام: ادارہ ترجمان السنۃ، لاہور: ص۲۳۳) حالانکہ بٹالوی صاحب نے رسالہ الاقتصاد پر پورے ملک کے سینکڑوں علماء سے تصدیق حاصل کی تھی، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

یہ رسالہ میں نے ۱۸۷۶ء میں تالیف کیا اور اس میں علماء اسلام کی رائیں لینے اور اُن کا توافق رائے

حاصل کرنے کے لیے لاہور سے عظیم آباد، پٹنہ تک سفر کیا اور اکابر علماء مختلف فرقہ ہائے اسلام کو یہ رسالہ حرف بحرف سنا کر ان کا توافق رائے حاصل کیا اور بعض بلا ہندوستان و پنجاب (جہاں راقم خود نہیں جا سکا) اس رسالہ کی متعدد کاپیاں بھجوا کر ان بلاد کے اکابر علماء کا اتفاق رائے حاصل کیا۔ پھر ۱۸۷۹ء میں اس رسالہ کے اصل اصول مسائل کو بہ ضمن ضمیمہ نمبر ۱۱ جلد ۲ رسالہ ''اشاعۃ السنۃ'' بعنوان اشتہار عام لوگوں میں شائع کیا اور اس میں عام اہل اسلام کو ان مسائل میں اپنی آراء ظاہر کرنے کا موقع دیا جس پر بہت سے مواضع ہندوستان و پنجاب کے (جہاں وہ ضمیمہ پہنچا) صدہا عوام و خواص نے ان مسائل کی نسبت اپنا اتفاق رائے ظاہر کیا۔ (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد، ص۳-۲)

صاف ظاہر ہے کہ اس رسالہ کے مندرجات تمام اہل حدیث کے اتفاقی تھے، بٹالوی صاحب کے انفرادی نظریات نہ تھے۔

قصور میں اہل حدیث کے سرکردہ علماء میں مولوی غلام علی قصوری ثم امرتسری، اور مولوی مرزا فتح محمد بیگ تھے۔ وہ دونوں بٹالوی صاحب سے بھی پہلے جہاد کے حرام ہونے کا فتویٰ دے چکے تھے۔ اس وقت ہمارے سامنے مرزا فتح محمد بیگ کی نگرانی میں شائع ہونے والے ماہانہ رسالہ انجمن مفید عام قصور کا ایک شمارہ ہے جس میں مرزائے موصوف کے رسالہ جہاد پر ریویو (تبصر) ایک معاصر اخبار سے نقل کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کے چند اقتباس پیش کیے جاتے ہیں:

''مرزا صاحب (فتح محمد بیگ) نے جملہ ساکنانِ پنجاب کی نسبت اعلیٰ احکام کے سامنے بارہا ظاہر کیا ہے کہ وہ سب کے سب بمقابلہ گورنمنٹ جہاد کو حرام خیال کرتے ہیں۔''

(رسالہ انجمن مفید عام قصور، شمارہ فروری، ۱۸۸۰ء، ص۲۲)

علاوہ بریں اور بہت سے علماء دین نے جو اس مسئلہ کی بابت بہت کچھ لکھا اور کہا ہے ان کا کیا نقصان ہوا؟ جیسا کہ جناب مولانا حضرت مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر نجم الہند نے ایک رسالہ ڈاکٹر ہنٹر کے جواب میں لکھا اور مولوی غلام علی صاحب امرتسری ایک مدت سے اس مسئلہ کو بیان کر رہے ہیں، صاحب آخر الذکر خاص کر کے اس وقت بھی جہاد کو مخالف گورنمنٹ انگریزی ایسا ہی ناجائز اور حرام کہتے تھے، جبکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس مسئلہ میں ان کے برخلاف تھے۔

(رسالہ انجمن مفید عام قصور، شمارہ فروری، ۱۸۸۰ء، ص۔ ۲۳۴)

بٹالوی صاحب تو زبانِ حال سے یہ کہتے ہوں گے ع

نہ تنہا من دریں مے خانہ مستم

ان تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیے۔ ہمیں یقین ہے کہ آپ محو حیرت ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے:

"اور اس دور میں جبکہ ہندوستان کے خائن اور غدار، انگریزوں کی حمایت میں جہاد کرنا جائز قرار دے رہے تھے اور ہندوستان کو دارالاسلام بتا رہے تھے۔ اہل حدیث نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے اور پورا ہند ان کے جہاد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔" (ظہیر: مرزائیت اور اسلام: ص ۲۱۵)

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی تقریر کا ایک اقتباس اس سے پہلے گزر چکا ہے اس موقع کی مناسبت سے دوبارہ نقل کر دینا مناسب رہے گا۔

"ان پر (انگریز کے خلاف) جہاد کسی طرح واجب نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ اگر ان پر کوئی حملہ آور ہو تو مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس سے لڑیں اور اپنی گورنمنٹ پر آنچ نہ آنے دیں۔"

(مرزا حیرت دہلوی: حیاتِ طیبہ (مطبع فاروقی، دہلی) ص ۲۹۴)

ظہیر صاحب کہتے ہیں کہ "اہل حدیث نہ صرف ہر طریقے سے قوم کو جہاد کا درس دے رہے تھے، بلکہ عملاً جہاد میں شریک بھی تھے۔" انہوں نے یہ نہیں کہا کہ انگریز کے خلاف جہاد کا درس دیا جا رہا تھا یا جہاد کیا جا رہا تھا اور حقائق وشواہد بھی یہ گواہی دے رہے ہیں کہ دہلوی سے لے کر بٹالوی تک انگریز کے خلاف جہاد کو ناجائز اور حرام قرار دیتے تھے، ان کا جہاد سرحد کے حنفی مسلمانوں کے خلاف تھا یا سکھوں کے خلاف جو انگریزوں کے لیے مستقل دردِ سر کی حیثیت رکھتے تھے۔"

امام احمد رضا بریلوی نے فتویٰ دیا تھا کہ ہندوستان میں جہاد کی شرطیں موجود نہیں، اس لیے مسلمانوں پر جہاد واجب نہیں، اس پر انتہائی تند و تیز فتوے صادر کیے جاتے ہیں۔ انداز ملاحظہ ہو۔

"کسی انصاف پسند کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس بات سے اختلاف کرے کہ بریلوی اور بریلویت کا تمام

وزن، غاصب انگریزی استعمار کے پلڑے میں تھا، اگر چہ انہیں انگریز کا ملازم، جاسوس اور تنخواہ دار تسلیم نہ کرے، کیونکہ انہوں نے جہاد اور مجاہدین کے خلاف فتویٰ دیا اور انگریزی استعمار کے خلاف ترکِ موالات کی تحریک کی مخالفت کی، بلکہ لوگوں کو انگریزوں کی دوستی اور موالات کا حکم دیا“۔

(ظہیر: البریلویۃ ص۴۴)

ترکِ موالات کے مسئلہ میں امام احمد رضا بریلوی کا موقف کیا تھا؟ اس وقت زیر بحث نہیں، اس کے لیے پیشِ نظر کتاب کے دیگر اوراق کا مطالعہ کیجئے، اس وقت تو صرف اس امر کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ یہ تمام امور بلکہ اس سے کہیں زیادہ بٹالوی صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث میں پائے جاتے ہیں، انہیں کن خطابات سے نوازا جائے گا؟

۱۸۵۷ء کے مجاہدین مفسد، بدکردار، باغی

محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

”مفسدہ ۱۸۵۷ء میں جو مسلمان شریک ہوئے تھے، وہ سخت گنہگار، اور بحکمِ قرآن وحدیث وہ مفسد وباغی، بدکردار تھے، اکثر ان میں عوام کالانعام تھے۔ بعض جو خواص وعلماء کہلاتے تھے، وہ بھی اصل علوم دین (قرآن وحدیث) بے بہرہ تھے یا نافہم وبے سمجھ، باخبر سمجھ دار علماء (اہل حدیث) اس میں ہرگز شریک نہیں ہوئے اور نہ اس فتویٰ پر جو اس عذر کو جہاد بنانے کے لیے مفسد لیے پھرتے تھے، انہوں نے خوشی سے دستخط کیے۔

یہی وجہ تھی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی جو حدیث وقرآن سے باخبر اور اس کے پابند تھے، اپنے ملک ہندوستان میں انگریزوں سے (جن کے امن وعہد میں رہتے تھے) نہیں لڑے اور نہ اس ملک کی ریاستوں سے لڑے ہیں۔ اس ملک سے باہر ہو کر قوم سکھوں سے (جو مسلمانوں کے مذہب میں دست اندازی کرتے تھے، کسی کو اونچی اذان نہیں کہنے دیتے تھے) لڑے۔ (محمد حسین بٹالوی: الاقتصاد، ص۴۹-۵)

جہاد حرام

دربھنگہ کے ایک اہل حدیث لکھتے ہیں:

”حکام نے مولوی محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ تمھارے مذہب میں سرکار سے جہاد درست ہے یا نہیں؟ تب انہوں نے ایک کتاب لکھی اور بہت علماء سے دستخط کرا کے بھیجی کہ ہم لوگ اہل حدیث کے مذہب

میں بادشاہ سے جس کے امن میں رہتے ہیں، جہاد حرام ہے۔‘‘

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ ۲، ص ۳۶)

الاقتصاد کے علاوہ مولوی محمد حسین بٹالوی کی ادارت میں شائع ہونے والے جریدہ اشاعۃ السنۃ کی فائلیں گواہ ہیں کہ فرقہ اہل حدیث نے گورنمنٹ کے حضور کس کس طرح اپنی وفاداری کے ثبوت فراہم کیے ہیں:

’’اشاعۃ السنۃ نے گورنمنٹ میں اہل حدیث کی وقعت کو جما دیا اور ان کی وفاداری کا ثبوت دے کر داغِ بغاوت جو در اصل ان کے دشمنوں کا اختراع تھا، مٹا دیا۔‘‘

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ ۲، ص ۴۰)

سرٹیفکیٹ

۳۱/ مارچ ۱۸۸۷ء کے سرٹیفکیٹ میں سر چارلس اتچیسن صاحب بہادر سابق نواب لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب لکھتے ہیں:

’’ابوسعید محمد حسین فرقہ اہل حدیث کے ایک سرگرم رکن مولوی اور فرقۂ اسلام کے وفادار اور ثابت قدم وکیل ہیں، ان کی علمی کوششیں لیاقت سے ممتاز ہیں، وہ نیز ملکہ معظّمہ کی وفادار رعایا میں سے ہیں‘‘۔ (محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ ۲، ص ۴۱)

اگر کوئی محقق ’’انگریز اور اہل حدیث کی وفاداری‘‘ کے عنوان پر اشاعۃ السنۃ کی بنیاد پر تحقیقی مقالہ لکھنا چاہیے تو ضخیم مقالہ لکھ سکتا ہے اور اگر اس موضوع پر اس رسالہ کے متعلقہ صفحات کے عکس ہی جمع کر دیئے جائیں، تو اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔

مولوی محمد یونس خاں اہل حدیث، رئیس دتاؤلی، علی گڑھ نے مولوی محمد حسین بٹالوی کی حمایت میں ایک مضمون لکھا تھا، اس کے چند اقتباس ملاحظہ ہوں۔

رفتارِ زمانہ سے واقف

’’حقیقت میں مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب اہل حدیث کے فرقہ میں پہلے وہ شخص ہیں جو زمانہ کی رفتار سے واقف ہوئے ہیں اور ٹھیٹھ اسلام کی رو سے ہمارے اور گورنمنٹ ملکہ معظّمہ کے تعلقات کو سمجھے ہیں اور ان کو ظاہر کیا ہے۔۔۔ جب کہ تمام ملکوں اور تمام مذاہب کی رعایا حضور ملکہ معظّمہ کی پنجاہ سالہ جشن میں اظہارِ مسرت

کر رہے ہیں۔ کیا صرف فرقہ اہل حدیث ہی ایسا ناسپاس اور خیرہ ہو جاوے کہ اظہارِ خوشی سے سکوت اختیار کرے۔“

(محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۳۲)

بٹالوی صاحب لکھتے ہیں:

”اس کارروائی کے پہلوؤں کو وہی لوگ خوب سمجھ سکتے ہیں جو پولٹیکل امور کے سمجھنے کا دماغ رکھتے ہیں۔“ (محمد حسین بٹالوی: حاشیہ اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۱۱)

خوفناک انگریزی مظالم

احسان الٰہی ظہیر لکھتے ہیں:

”انگریزی استعمار نے ہندوستان سے مسلمانوں کا بساطِ حکومت لپیٹ دیا اور ۱۸۵۷ء میں ان کے خون بہائے، ان کی شوکت کو توڑا، ان کی قوت کو کمزور کیا، ان کے علماء کو پھانسیوں پر چڑھایا، ان کے قائدین اور زعماء کو جلاوطن کیا۔“ (ظہیر: البریلویۃ، ص ۳۶)

اس میں شک نہیں کہ انگریز کے مظالم نے ہلاکو اور چنگیز کی روحوں کو شرما دیا، لیکن علمائے اہل حدیث، ملکہ وکٹوریہ کو مادرِ مہربان قرار دے رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی شفیق ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی ہے، تو اس نتیجہ میں وزن محسوس ہوتا ہے کہ ان حضرات نے نہ تو جنگ آزادی میں حصہ لیا تھا اور نہ ہی موردِ عتاب بنے۔ انہوں نے تو اپنے دلی جذبات عقیدت سے گورنمنٹ کو اپنی وفاداری کا یقین دلا دیا تھا۔

مادرِ مہربان

مولوی محمد یونس اہل حدیث رئیس دتاوَلی لکھتے ہیں:

”ہم اپنی ملکہ مادر مہربان کی خوشی کے کیونکر ساتھ نہ ہوں؟ کون ملکہ؟ جس نے ہماری شوخ چشمیوں اور خیرہ سریوں کو بالکل اپنے دل سے فراموش کر کے غدر ۵۷ء کے بعد ہم کو خطِ آزادی دیا اور جس نے اپنی ایک نگاہِ عنایت اور ایک دستخطی فرمان سے ہمارے خونوں کو معاف کیا، ہماری جائدادیں واپس کیں۔ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۲۴)

ملکہ ہماری سلطنت ہی کے لیے بنائی گئی ہے

”جب ایسی شفیق ملکہ پروردگار نے ہماری خوش قسمتی سے ہماری سلطنت کے واسطے بنائی ہے تو بتایئے کہ عقلاً وعرفاً وشرعاً کیونکر ہم اس کی خوشی کو اپنی خوشی نہ سمجھیں؟ اس کے رنج کو اپنا رنج تصور نہ کریں، اگر ہم ایسا نہ کریں تو ہم پر نفرین ہے۔“ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۳۱)

ہم ڈنکے کی چوٹ پر گورنمنٹ کا ساتھ دیں گے

”اگر آپ کے دست و بازو میں قوت ہو جہاد کیجئے، مگر یاد رکھیے کہ ایسے صاحب کا ساتھ دو، ایک خارج از عقل ہی دیں گے اور میں اور میرے ساتھی تو ڈنکہ کی چوٹ سے بادشاہِ وقت کا ساتھ دیں گے۔ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۲۲)

ملکہ کی خیر خواہی میں جان دینا باعث فخر

اور سچ یہ ہے کہ اپنی ملکہ کی خیر خواہی کے واسطے جس کی سلطنت میں لکھو کھہا فوائد ہم کو حاصل ہوئے ہیں، اپنی جان کھو دینے یا بدخواہ کی جان لینے کو اپنا فخر سمجھتے ہیں۔

۱۸۵۷ء کے مجاہد بے وقوف تھے

”وہ لوگ اگر چہ ہمارے بزرگ یا قرابتی ہوں، بے وقوف اور نادان تھے، جنہوں نے ۵۷ء کے عذر کو برپا کیا تھا، اصل یہ بات ہے کہ وہ ہماری طرح اس سلطنت کے فوائد سے واقف نہ تھے۔ (محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۳-۲۲)

برٹش گورنمنٹ ہی میں ہماری ترقی ہے

”بہتر ہے وہ صاحب افغانستان میں سنت کی پیروی کا وعظ کہیں یا مکہ معظّمہ میں حدود شرعی کو جاری کریں یا بخارا میں جو ایک مسلمانی ریاست روس کے ماتحت ہے، اپنے کو غیر مقلد ظاہر کریں، حضرت اس صورت میں یا تو آپ کا ہاتھ یا کان یا ناک نہ ہو گا یا آپ خود نہ ہوں گے۔ برٹش گورنمنٹ ہی میں آپ کی ترقی چلتی ہے اور جگہ کیا مجال جو آپ اپنی زبان تک ہلا سکیں۔

(محمد یونس، اہل حدیث: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۰، شمارہ اول، ص ۳-۲۴)

مسلمانوں کو برٹش کا مطیع بنانا

ڈاکٹر ابو محمد جمال الدین، اہل حدیث (کھوری، ضلع ساگر) زیرِ عنوان ''اس ایک مسئلہ خلافت کے بیان کے بے انتہا فوائد ہیں'' لکھتے ہیں:

- مسلمانوں کو برٹش کا زیادہ مطیع بنانا، اس کے فوائد بھی واقفانِ معاملات پولٹیکل پر مخفی نہیں ہیں۔
- مسٹر بلنٹ (جو ترقی وبہی خواہ اسلام ہیں اور بہبودئ اسلام کے کام کرنے میں ساعی ہیں) کی مخالفت سے لوگوں کو باز رکھنا جس سے اتفاق اہلِ اسلام و ترقی اسلام کی تدابیر میں رخنہ اندازی نہ ہونے پاوے۔ ان میں سے ہر ایک فائدہ میں اور بھی بے شمار فوائد ہیں۔

(ابو محمد جمال الدین: اشاعۃ السنۃ، ج ۷، شمارہ ۸، ص ۲۲۷)

انعام وفا

اشاعۃ السنۃ کی فائلوں سے چند اقتباسات گزشتہ صفحات میں پیش کیے گئے ہیں، جن سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی نے اپنی پوری جماعت کو انگریز حکومت کے دامنِ مہر و فا سے وابستہ رکھا، یہاں تک کہ گورنمنٹ نے نہ صرف ان کی وفاداری کا کھلے دل سے اعتراف کیا، بلکہ اظہارِ خوشنودی کے طور پر انعامات سے بھی مالا مال کیا۔

مولوی محمد حسین بٹالوی اپنی وصیت میں لکھتے ہیں:

''اراضی جو خدا تعالیٰ نے گورنمنٹ سے مجھے دلائی ہے، چار مربع ہے۔''

(محمد حسین بٹالوی: اشاعۃ السنۃ، ج ۱۹، شمارہ ۹، ص ۲۷۷)

مسعود عالم ندوی (اہل حدیث) لکھتے ہیں:

''ہندوستان کی جماعت اہل حدیث موجودہ شکل میں نمایاں ہوئی اور ان کے سرگروہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے سرکارِ انگریزی کی اطاعت کو واجب قرار دیا اور حد یہ کہ وقت کے بعض مشہور حنفی علماء (مولانا فضلِ حق خیر آبادی اور حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکہ کو سرکار سے بغاوت کے طعنے دیئے''۔ (مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۸-۲۷)

انعام ملنے کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مولوی محمد حسین بٹالوی نے جہاد کی منسوخی پر ایک رسالہ (الاقتصاد فی مسائل الجہاد) فارسی زبان میں

تصنیف فرمایا تھا اور مختلف زبانوں میں اس کے ترجمے بھی شائع کرائے تھے۔ معتبر اور ثقہ راویوں کا بیان ہے کہ اس کے معاوضے میں سرکار انگریزی سے انہیں ”جاگیر“ بھی ملی تھی۔ اس رسالہ کا پہلا حصہ ہمارے پیشِ نظر ہے پوری کتاب تحریف وتدلیس کا عجیب وغریب نمونہ ہے۔“

(مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص ۲۷)

بٹالوی صاحب نے اپنی پوری قوم کو اس رنگ میں رنگ دیا تھا۔

”اس رسالے (الاقتصاد) میں جہاد کو منسوخ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔۔۔ اردو، انگریزی، عربی میں اس کے ترجمے بھی شائع ہوئے اور انگریزی اور اردو ترجمے سر چارلس ایچی سن اور سر جیمس لائل گورنران پنجاب کے نام معنون کیے گئے۔۔۔ اللہ مرحوم کی مغفرت کرے، اس کتاب پر انعام سے بھی سرفراز ہوئے تھے، جماعت اہل حدیث کو فرقہ کی شکل دینے میں ان کا حصہ ہے اور یہ ہی وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے اس سادہ لوح فرقے میں وفاداری کی خو بو پیدا کی۔“

(مسعود عالم ندوی: ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک، ص۴-۱۷۳)

واقعہ بھی یہ ہے کہ انگریز اپنے وفاداروں کو نوازنے میں بخل سے کام نہیں لیتا تھا، اس نے اپنے وفاداروں کو نوازا اور خوب نوازا۔۔۔ امام احمد رضا بریلوی پر ان کے مخالفین شدید تر الزامات عائد کرنے سے نہیں چوکتے، لیکن آج تک بڑے سے بڑا مخالف یہ ثابت نہیں کر سکا کہ انہیں یا ان کے صاحبزادوں کو گورنمنٹ نے شمس العلماء کا خطاب دیا ہو کوئی جاگیر یا کوئی انعام دیا ہو، پھر یہ کیسے تسلیم کر لیا جائے کہ وہ انگریز کے حمایتی یا وظیفہ خوار تھے اور انگریز کے سب سے بڑے دشمن علماء اہل حدیث تھے؟

میاں نذیر حسین دہلوی

میاں صاحب ۱۲۲۰ھ /۱۸۰۵ء میں بہار کے ایک گاؤں سورج گڈھا میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ /۱۹۰۳ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۵۰۱-۴۹۷)۔ تلامذہ کی بڑی تعداد یادگار چھوڑی، اہل حدیث میں شیخ الکل کے لقب سے مشہور ہوئے۔ برٹش گورنمنٹ کی طرف سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔

پہلا دور

میاں صاحب کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق دہلوی اور دوسرے استاد شاہ محمد اسحاق دہلوی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے طرزِ عمل کو ناپسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ نواب محمد قطب الدین نے ۱۲۸۵ھ میں ایک کتاب تحفۃ العرب والعجم کے نام سے لکھی، اس میں لکھتے ہیں:

”اس وقت میں جناب مولانا محمد اسحاق صاحب مرحوم اور مولوی محبوب العلی صاحب مرحوم اور مولوی عبدالخالق صاحب مرحوم دہلی میں موجود تھے اور یہ صاحب ایسے لوگوں (غیر مقلدین) سے بہت ہی ناراض رہتے تھے اور ان کے کلمات سن کر چہرۂ مبارک سرخ ہو جاتا تھا اور فرماتے تھے کہ پھر یہ لوگ ضال (گمراہ) ہیں اور مولوی محبوب العلی صاحب ایسے لوگوں (کو) بہتر فرقہ کا ملغوبہ فرماتے تھے اور قلع قمع ان لوگوں کا بوجہ احسن کرتے تھے۔۔۔۔ اور مولوی عبدالخالق صاحب بھی ان کا ردوکد بوجہ احسن فرماتے تھے اور خوب ان کی گت کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ لوگ چھوٹے رافضی ہیں۔

(محمد قطب الدین دہلوی، نواب: تحفۃ العرب والعجم (مطبع حسنی، دہلی) ص۴-۳)

اس وقت میاں صاحب بھی حنفی تھے اور غیر مقلدین کے رد میں سعی بلیغ کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

”منجملہ ان کے سید نذیر حسین صاحب نے بھی دفع اس فتنہ میں بہت سعی کی کہ مولوی حقی اور عبدالحمید پوربی سے اس باب میں بہت گفتگو کر کے ان کو ساکت کیا، بلکہ ان کے جواباتِ شکوک میں ایک رسالہ لکھا اور اس میں تعریفیں امام صاحب کی اور حقیت اپنے مذہب حنفی کی اور جواب مخالفین کے اور مرجوحیت مذہبِ غیر کی بیان کی اور رواۃ احادیث پر جو خلافِ احادیث متمسکہ مذہب حنفی کی ہیں، جرح وقدح بوجہ احسن فرما کر ان کو ضعیف جتایا اور رہا رہا اپنی زبانِ مبارک سے ان لامذہبوں کو رافضیوں کا بھائی کہا۔“ (محمد قطب الدین دہلوی، نواب: تحفۃ العرب والعجم (مطبع حسنی، دہلی) ص۴)

ایک وقت تھا کہ میاں صاحب دل و جان سے احناف کا ساتھ دیتے تھے اور غیر مقلدین کا زبانی اور قلمی ردّ کرتے تھے۔ نواب صاحب لکھتے ہیں:

’’اس بلا کے دفع میں سید نذیر حسین صاحب بجان و دل ہمارے ساتھ رہے، حتی کہ تنویر العینین کے مضامین کے ردّ میں جس کو لوگ منسوب مولانا اسمٰعیل کی طرف کرتے ہیں۔ مدلل ایک رسالہ عربی میں لکھا اور سورۂ فاتحہ کے نہ پڑھنے میں پیچھے امام کے بھی ایک رسالہ لکھا اور اخفاء آمین اور عدم رفع یدین وغیرہ میں بھی خوب خوب عبارتیں اور روایتیں لکھیں اور لکھا کہ عدم رفع یدین نماز میں احق ہے اور رفع منسوخ اور مذہب حنفی کی بہت سے تعریفیں لکھیں، چنانچہ وہ اب تک میرے ایک دوست کے پاس موجود ہیں۔‘‘ (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ۵)

اس وقت میاں صاحب دعوے سے کہتے تھے کہ مذہبِ حنفی قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔ نواب قطب الدین لکھتے ہیں:

’’اور چونکہ سید صاحب اس فقیر سے نہایت محبت رکھتے تھے۔ ہر جمعہ کو میرے ہاں آتے اور بار ہا فرماتے کہ ہم اور تو کچھ جانتے نہیں، ہم کو کوئی بتا دے کہ فلانا مسئلہ حنفیہ کا خلاف قرآن یا حدیث کے ہے۔ دیکھو تو ہم کیسا قرآن و حدیث سے ثابت کرتے ہیں۔‘‘

(محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ۶-۵)

دوسرا دور

طالب علمی کے دور میں ہی میاں صاحب کے مزاج میں آزادروی کے آثار پائے جاتے تھے، اسی لیے ایک موقع پر شاہ محمد اسحاق نے کہا تھا:

’’اس لڑکے سے وہابیت کی جھلک آتی ہے۔‘‘

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ (مکتبہ شعیب، کراچی) ص ۵۷)

پچاس سال کی عمر تک حنفی رہنے کے بعد اس وقت رنگ بدلا، جب جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جما چکا تھا، ابتدائے غیر مقلدین کی نشست میاں صاحب کے ہاں رہتی تھی، ان کے ہاں حلقہ جمتا تھا۔

’’بعد غدر کے لامذہبوں نے یہ پیرایہ اختیار کیا کہ سید نذیر حسین صاحب کے پاس حلقہ باندھ کر بیٹھنا شروع کیا۔ کیا مسجد میں، کیا ان کے مکان پر، اور جب کوئی بات لامذہبی کو منہ سے نکالیں یا عمل کریں، تو

حوالہ سید صاحب کا دے دیں، ہم لوگ ان کو جھٹلا دیں کہ تم جھوٹے ہو، وہ ایسے ہرگز نہیں ہیں۔۔۔۔اور جو کوئی صاحب، سید صاحب سے ان کا مقولہ کہے کہ وہ آپ کا حوالہ دیتے ہیں، تو سید صاحب یہی فرماویں کہ وہ جاہل ہیں، ان کا کیا اعتبار؟

آخر نوبت بایں جارسید کہ اماموں پر اور ان کے اتباع پر کھلم کھلا تبرے ہونے اور **اتخذوا احبار ھم** کے مصداق لگے ٹھہرانے۔ (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ٦)

میاں صاحب کا ایک طرف احترام اساتذہ ملاحظہ ہو:

''بیانِ مسائل میں بھی انہیں بزرگوں کے اقوال سے سند لاتے اور فرماتے۔

''ہمارے حضرات یوں فرماتے ہیں' اس پر کوئی آزاد طبع طالب علم اگر کہہ دیتا کہ حضرات کا کہنا سند نہیں ہو سکتا، جب تک قرآن و حدیث سے سند نہ دی جائے، تو بہت خفا ہو کر فرماتے'' مردود! کیا یہ حضرات گھس کٹے تھے، ایسی ہی اڑان گھائی اڑاتے تھے۔'' (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ٣٠٣)

دوسری طرف ائمۂ مجتہدین سے بے اعتنائی کا یہ عالم:

''آپ جب کوئی حدیث صحیح فرماتے اور کوئی شخص اس کے معارض کسی ائمۂ مذہب کا قول پیش کر دیتا، تو برہم ہو کر فرماتے، سنو! یہ بزرگ ہم سے بڑے، میرے باپ سے بڑے، دادا سے بڑے، مگر رسول خدا سے بڑے نہیں۔'' (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ٢٨٥)

اس کا مطلب سوائے اس کے کیا ہے کہ ائمۂ مجتہدین ساری عمر گھاس کاٹتے رہے تھے، اسی لیے رسولِ خدا ﷺ کے فرمان کے خلاف احکام بیان کرتے تھے۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، میاں صاحب کے اساتذہ شاہ محمد اسحاق اور مولانا عبد الخالق وغیرہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور حنفی تھے۔

پھر تو میاں صاحب نے کھل کر تقلید ائمۂ کا لبادہ اتار دیا اور غیر مقلدین کے امام کہلائے۔ نواب محمد قطب الدین لکھتے ہیں:

''لا مذہبوں نے نہ مانا اور لا مذہبی میں زیادہ مصر ہوئے اور نشست و برخاست سید صاحب (کے) پاس زیادہ رکھنے لگے اور سید صاحب کو ایسا ورغلانا اور اپنی ساتھ سانٹھا کہ سید بھی ان کی ممنونی و مشکوری میں لٹو بن کر ان کی حمایت کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو بیس، بائیس برس سے ایسا ہی تھا، پر کسی کو معلوم نہ تھا اور میں کیا کروں، مجھ کو تو یونہی

سوجھتی ہے۔" (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ۷-۶)

میاں نذیر حسین دہلوی کو وہابیت اور ترک تقلید کی راہ پر لگانے میں سرسید کا بھی ہاتھ تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

"سرسید احمد خاں ایک ممتاز اہل حدیث عالم مولانا محمد ابراہیم آروی کو اپنے ایک مکتوب مورجہ ۱۰رفروری ۱۸۹۵ء میں لکھتے ہیں:

جناب سید نذیر حسین دہلوی صاحب کو میں نے "نیم چڑھا وہابی" بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے، مگر اس کو سنتِ ہدیٰ جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں، لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے۔ جناب ممدوح میرے پاس تشریف لائے تھے۔ جب یہ گفتگو ہوئی، میں نے سنا کہ میرے پاس سے اٹھ کر وہ جامع مسجد میں عصر کی نماز پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔

(محمد ایوب قادری، پروفیسر: برگِ گل، سرسید نمبر، نقشِ ثانی (اردو کالج، کراچی) ص ۲۸۵-۶)

نواب محمد قطب الدین نے تنویر الحق اور توقیر الحق کے نام سے دو رسالے لکھے جن میں مذہب حنفی کو قرآن وحدیث اور اجماع کے دلائل سے ثابت کیا اور امام معین کی تقلید کی ضرورت کی واضح کیا۔ میاں صاحب نے ان کے جواب میں معیار الحق نامی کتاب لکھی:

"سو تنویر الحق کے جواب میں رسالہ "معیار" لکھا کہ اس سے تمام مقلدین کیا اولیاء اور کبار علماء وصلحاء متقدمین ومتاخرین مشرک وبدعتی ٹھہرے، سید صاحب کی ذات سے بعید ہے کہ ایسے واہیات لکھیں، اگرچہ اس کام سے وہ امصار ودیار میں ایسے بدنام وخوار ہوئے ہیں کہ حاجت بیان کی نہیں، پر اس کو بھی انہوں نے اپنا نام ونمود سمجھا۔ (محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ۷)

نواب صاحب، ائمۂ مجتہدین کی راہ سے برگشتہ لوگوں کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"افسوس صد افسوس! ان لوگوں سے کہ مذہب مجتہدین خیر القرون کا چھوڑ کر تابع داری غیر مجتہد نافہم اس زمانہ فساد انگیز کی کرتے ہیں اور زبان طعن کی اکابرِ دین پر دن رات جاری رکھتے ہیں۔ بیت

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد

میلش اندر طعنۂ پاکاں زند

(محمد قطب الدین، نواب: تحفۃ العرب والعجم، ص ۱۱)

انعام یا فتہ وفادار

دیگر علماء اہل حدیث کی طرح میاں صاحب بھی برٹش گورنمنٹ کے دل و جان سے وفادار تھے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں پاس وفاداری کی خاطر حصہ نہ لیا۔ ان کے سوانح نگار نے جلی سرخی قائم کی ہے:

”گورنمنٹ انگلشیہ کے ساتھ وفاداری (لوایلٹی) (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۲۴)

اس شہ سرخی کے تحت سوانح نگار لکھتے ہیں:

”حج کو جاتے وقت بھی جو چٹھی کمشنر دہلی وغیرہ نے میاں صاحب کو دی تھی، اس کی نقل سفر حج کے بیان میں ہدیۂ ناظرین کی جائے گی، مگر اسی کے ساتھ یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ میاں صاحب بھی گورنمنٹ انگلشیہ کے کیسے وفادار تھے، زمانہ غدر ۱۸۵۷ء میں جبکہ دہلی کے بعض مقتدر اور بیشتر معمولی مولویوں نے انگریزوں پر جہاد کا فتویٰ دیا، تو میاں صاحب نے نہ اس پر دستخط کیا نہ مہر۔ وہ خود فرماتے تھے کہ ”میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔ وہ بیچارہ بوڑھا بہادر شاہ کیا کرتا۔۔؟ حشرات الارض خانہ براندازوں نے تمام دہلی کو خراب کیا، ویران، تباہ اور برباد کر دیا، شرائط امارت و جہاد بالکل مفقود تھے، ہم نے تو اس فتوے پر دستخط نہیں کیا، مہر کیا کرتے اور کیا لکھتے؟ مفتی صدر الدین خاں صاحب چکر میں آ گئے۔

بہادر شاہ کو بھی بہت سمجھایا کہ انگریزوں سے لڑنا مناسب نہیں ہے، مگر وہ باغیوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی ہو رہے تھے، کرتے تو کیا کرتے؟ (فضل حسین، بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۲۴-۵)

یہ وہ چیختے ہوئے حقائق ہیں جو خود بخود سب کچھ ظاہر کر رہے ہیں، واقعات کو توڑ مروڑ کر ان سے من مانے نتائج نہیں نکالے گئے۔

حالت جنگ میں درس جاری رہا

جن حضرات نے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء میں کسی طور پر بھی حصہ لیا۔ سقوطِ دہلی کے وقت ان پر نزع کی کیفیت طاری تھی، لیکن میاں صاحب پورے اطمینان کے ساتھ درس و تدریس میں مصروف تھے۔ اگر اس جنگ میں ان کا کوئی حصہ ہوتا یا انہیں کسی قسم کا خطرہ دامن گیر ہوتا تو حالت دگرگوں ہوتی۔

”دوسرے امتحان ۱۸۵۷ء میں غدر میں آپ کامیاب ہوئے جس زمانے میں مولانا عبداللہ غزنوی قدس سرہ آپ سے صحیح بخاری پڑھتے تھے اور صحن مسجد کے اوپر سے توپ کے گولے دنادن گزرتے تھے، یہاں تک کہ ایک روز ایک گولہ حالت سبق میں آ کر گرا۔ مگر نہ آپ (میاں صاحب) ہراساں ہوئے اور نہ صحیح بخاری کو بند کیا اور جب تک انگریزوں نے دلی کو فتح کر کے اہل دلی کو نکال دیا، آپ نے جان کے خوف سے دلی نہ چھوڑی۔

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۶۴۷)

جہاد باعث ہلاکت و معصیت

میاں صاحب کے فتوروں کے مجموعہ فتاویٰ نذیریہ کی کتاب الامارۃ والجہاد میں ایک سوال یہ ہے کہ جہاد فرض عین ہے یا فرض کفایہ؟ میاں صاحب نے جواب دیا کہ جہاد فرض کفایا ہے، مگر ”جہاد کی کئی شرطیں ہیں، جب تک وہ نہ پائی جائیں گی، جہاد نہ ہوگا“۔ پھر فرضیت جہاد کی چار شرطیں بیان کی ہیں اور آخر میں لکھتے ہیں:

”پس جب یہ بات بیان ہو چکی، تو میں کہتا ہوں کہ اس زمانے میں ان چار شرطوں میں سے کوئی شرط موجود نہیں، تو کیونکر جہاد ہوگا ہرگز نہیں۔“

(پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر (بحوالہ فتاویٰ نذیریہ، مطبوعہ لاہور، ج ۳، ص ۲۸۴)

خاص طور پر انگریزی اقتدار کے دور میں جہاد کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”علاوہ بریں ہم لوگ معاہد ہیں، سرکار سے عہد کیا ہوا ہے، پھر کیوں کر عہد کے خلاف کر سکتے ہیں؟ عہد شکنی کی بہت مذمت حدیث میں آئی ہے۔“ (پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد نمبر (بحوالہ فتاویٰ نذیریہ، مطبوعہ لاہور، ج ۳، ص ۲۸۴)

ایک سائل نے سوال کیا کہ ہندوستان میں جہاد جائز ہے یا نہیں؟ میاں صاحب جواب میں جہاد کے جائز ہونے کی دو شرطیں بیان کر کے لکھتے ہیں:

”ہندوستان میں شوکت و قوت اور قدرت سلاح و آلات مفقود ہے اور ایمان پیان یہاں موجود ہے۔ پس جبکہ شرط جہاد کی اس دیار میں معدوم ہوئی، تو جہاد کرنا یہاں سبب ہلاکت اور معصیت کا ہوگا۔“ (پندرہ روزہ تقاضے، لاہور: بحوالہ فتاویٰ نذیریہ، ج ۳، ص ۲۸۴-۵)

کتنی صراحت کے ساتھ کہہ رہے ہیں کہ موجودہ حالات میں نہ صرف یہ کہ جہاد نہیں کیا جا سکتا، بلکہ جہاد

کرنا گناہ ہے۔ امام احمد رضا بریلوی فرماتے ہیں:

”مفلس پر اعانت مال نہیں، بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں ولہٰذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں۔ (احمد رضا بریلوی، امام: دوام العیش (مکتبہ رضویہ، لاہور) ص ۴۶)

اس عبارت کا مطلب سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ مسلمانوں پر موجودہ بے بسی کے عالم میں جہاد فرض نہیں ہے۔ دوسری جگہ اس سے بھی زیادہ صراحت کے ساتھ فرماتے ہیں، ”رہا جہاد سنانی (نیزے اور ہتھیاروں سے جہاد) ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ بہ نصوص قرآن عظیم ہم مسلمانانِ ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کا واجب بتانے والا مسلمانوں کا بدخواہ مبین۔

(احمد رضا بریلوی، امام: رسائلِ رضویہ (مکتبہ حامدیہ، لاہور) ج ۲ ص ۲۰۸)

امام احمد رضا بریلوی نے جہاد کے ناجائز اور حرام ہونے کا فتویٰ نہیں دیا، بلکہ فرمایا کہ مسلمانوں میں طاقت نہیں، لہٰذا جہاد واجب نہیں، اس فتوے کی بناء پر کیسے کیسے الزامات لگائے گئے، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں:

”مسلمانوں میں مشہور کیا گیا کہ وہ انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور ان کے لیے کام کر رہے ہیں۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۴۳)۔ (ترجمہ)

مزید ترقی کرتے ہوئے کہا جاتا ہے:

”یہی بات ہندوستان میں انگریزی استعمار کے ایجنٹ اور بریلوی کے ہمعصر قادیانی نے کہی۔ (ظہیر: حاشیہ البریلویہ، ص ۴۳)۔ (ترجمہ)

اگر انصاف و دیانت کا کوئی حصہ دل کے کسی گوشے میں موجود ہے۔ اور خوفِ آخرت کا معمولی سا عکس بھی آئینۂ قلب پر جلوہ فگن ہے، تو انصاف سے بتایئے کہ فتویٰ کہ یہ زبان میاں نذیر حسین دہلوی کے بارے میں کیوں نہ استعمال کی جائے جو صرف جہاد کو ناجائز ہی نہیں بلکہ گناہ قرار دے رہے ہیں، مولوی محمد حسین بٹالوی پر یہ فتویٰ کیوں نہ لگایا جائے جو صرف مسلمانانِ ہند پر جہاد کو حرام قرار دے رہے ہیں، بلکہ ان کے نزدیک دنیا کے کسی بادشاہ کا گورنمنٹ سے جہاد جائز نہیں جیسے کہ اس سے پہلے اوراق میں گزر چکا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی اس حکم میں کیوں داخل نہیں، وہ تو حکومت کے وفادار اور جہاد کو حرام قرار دیتے ہیں جیسا کہ آئندہ صفحات میں آئے گا۔

انگریزی میم کی حفاظت

مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

”عین حالت غدر میں جبکہ ایک ایک بچہ انگریزوں کا دشمن ہو رہا تھا، مسز لیسنس ایک زخمی میم کو میاں صاحب رات کے وقت اٹھوا کر اپنے گھر لے آئے، پناہ دی، علاج کیا، کھانا دیتے رہے۔ اس وقت اگر ظالم باغیوں کو خبر بھی ہو جاتی تو آپ کے قتل اور خانماں بربادی میں مطلق دیر نہ لگتی۔ طرہ اس پر یہ تھا کہ پنجابی کڑہ والی مسجد کو تغلبا باغی دخل کئے ہوئے تھے، اسی میں اس میم کو چھپائے ہوئے تھے، مگر ساڑھے تین مہینے تک کسی کو یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ حویلی کے مکان میں گے آدمی ہیں۔

تین مہینوں کے بعد جب پوری طرح امن قائم ہو چکا، تب اس نیم جاں میم کو جواب بالکل تندرست و توانا تھی، انگریزی کیمپ میں پہنچا دیا جس کے صلے میں مبلغ ایک ہزار تین سو روپیہ اور مندرجہ ذیل سارٹیفیکٹس ملیں۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۲۷)

عین اس وقت جب مجاہدین پر قیامت گزر رہی تھی، میاں صاحب جان پر کھیل کر میم کی جان بچاتے ہیں، ساڑھے تین ماہ تک بحفاظت اپنے گھر پر رکھتے ہیں اور جنگ کے خاتمے پر اسے انگریز کے حوالے کر کے ایک ہزار تین سو روپے (جو موجودہ دور کے ایک لاکھ تیس ہزار روپے سے کسی طرح کم نہ ہوں گے) بطورِ انعام وصول کیے، حالتِ جنگ میں معمولات تدریس حسب معمول جاری ہے، اس کے باوجود انہیں، استعمارِ انگریزی کا دشمن اور عظیم مجاہد قرار دیا جائے۔ (ظہیر: البریلویہ ص ۷-۳۶)۔ تو یہ تاریخ کے ساتھ بہت بڑی ناانصافی ہو گی۔

مشہور مؤرخ غلام رسول مہر لکھتے ہیں:

یہ بھی صحیح ہے کہ میاں نذیر حسین مرحوم نے ایک زخمی انگریز عورت کو جو بے بس پڑی تھی، اٹھا کر اپنے ہاں علاج کیا تھا، وہ تندرست ہو گئی اور اسے اس کی خواہش کے مطابق دہلی کا محاصرہ کرنے والی انگریزی فوج کے کیمپ میں پہنچا دیا تھا۔ مگر اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا اور کہا تھا یہ میرا اسلامی فرض تھا۔ (غلام رسول مہر: افاداتِ مہر (شیخ غلام علی، لاہور) ص ۲۳۶)

حیرت ہے کہ میاں صاحب ایک ہزار تین سو روپے اور تعریفی سٹیفکیٹ وصول کریں، شمس العلماء کا خطاب بھی پائیں، اس کے باوجود مہر صاحب کہتے ہیں کہ ”اس کا صلہ کچھ نہیں لیا تھا۔ کیا یہ سب کچھ اسلامی فرض

کی ادائیگی کے ضمن میں آئے گا؟

سر ٹیفکیٹ (اعزازیہ سند)

میاں صاحب کو مسز لیسنس کی حفاظت کے بدلے میں نہ صرف نقد انعام ملا، بلکہ تعریفی سٹرفکیٹ بھی جاری کیے گئے۔ ذیل میں ایک سٹرفکیٹ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، اس سے یہ حقیقت بھی منکشف ہوتی ہے کہ اس کے علاوہ بھی متعدد سٹرفکیٹ وصول کیے گئے تھے۔

دہلی: مورخہ ۲۷ ستمبر ۱۸۷۷ء

از: ڈبلیو جی واٹرفیلڈ افی شیٹنگ کمشنر

مولوی نذیر حسین اور ان کے بیٹے شریف حسین اور ان کے دوسرے گھر والے غدر کے زمانے میں مسز لیسنس کی جان بچانے میں ذریعہ ہوئے۔ حالت مجروحی میں انہوں نے ان کا علاج کیا۔ ساڑھے تین مہینے اپنے گھر میں رکھا اور بالآخر دہلی کے برٹش کیمپ میں ان کو پہنچا دیا۔

وہ کہتے ہیں کہ ان کی انگریزی سرٹیفکیٹس ایک آتش زدگی میں جو ان کے مکان واقع دہلی میں ہوئی تھی، جل گئیں، میں کہتا ہوں کہ یہ ان کا کہنا بہت ہی قریں امکان ہے۔ غالبًا ان کو جنرل نیوایل چیمبرلین، جنرل برنارڈ اور کرنل سائیٹرو وغیرہ ہم سے سرٹیفکیٹس ملی تھیں۔ مجھ کو وہ واقعات اور مسز لیسنس کا کیمپ میں آنا اچھی طرح یاد ہے۔

ان لوگوں کو اس خدمت کے صلہ میں مبلغ دوسو اور چار سو روپیہ ملے تھے، مبلغ سات سو روپے بابت تاوان منہدم کیے جانے مکانات کے ان لوگوں کو عطا کیے گئے۔ یہ لوگ ہماری قوم سے حسنِ سلوک اور الطاف کے مستحق ہیں۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۳-۱۳۲)

راولپنڈی کی نظر بندی

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس قدر وفاداری کے باوجود میاں صاحب کو گرفتار کر کے ایک سال تک راولپنڈی میں نظر بند کیوں رکھا گیا؟ اس کا ایک جواب جو حقائق پر نہیں، بلکہ محض عقیدت پر مبنی ہے اور ”مریداں ہمی پرانند“ کا مصداق ہے، یہ ہے:

”آخر میں انگریزوں نے وہابیہ کے خلاف کاروائی میں، اہل حدیث کے امام کبیر اور ان کے قائد و زعیم،

شیخ الکل سید نذیر حسین محدث دہلوی کی گرفتاری کا فیصلہ کیا، لیکن وہ ان کی علمی ہیبت، بلند مقام اور مسلمانوں میں اثر و نفوذ سے خائف تھے، اس لیے ان کے معاملے میں مجبور ہو گئے تاکہ مسلمان بھڑک نہ اٹھیں اور قیامت نہ آجائے، اس لیے کچھ عرصہ کی قید کے بعد انہیں رہا کرنا پڑا۔

(ظہیر: البریلویۃ، ص ۳۸)۔ (ترجمہ)

لیکن حقائق کسی دوسری سمت اشارہ کر رہے ہیں۔ سرِ دست ایک سرٹیفکیٹ کا مطالعہ کیجئے جو حقیقتِ حال کے جاننے میں معاون ثابت ہوگا۔

”مورخہ: ۱۷ستمبر ۱۸۸۱ء
از: میجر جی، ای، ینگ کمشنر

میں نے اس سرٹیفکیٹ کی اصل کو ملاحظہ کیا ہے (جو اس سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے) اور مسز لیسنس سے بھی مجھ کو وہ حالات معلوم ہوئے ہیں جو اس میں مندرج ہیں، یہ امر قرین امکان ہے کہ مولوی نذیر حسین اور شریف حسین کے بیان کیے ہوئے حالات نے مخالفوں کو ان کا دشمن بنا دیا ہے۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۳۳)

ساڑھے تین ماہ تک انگریزی میم کو پناہ میں رکھا گیا، اس وقت تو مجاہدین کو کانوں کان خبر نہ ہوئی، تاہم بعد میں یہ خبر چھپی نہ رہ سکی، اس لیے جنگِ آزادی کے جیالوں کا برہم ہونا یقینی تھا۔

اس سے قبل گزر چکا ہے کہ پنجاب کے انگریزی اقتدار میں آجانے کے بعد سرحد میں مقیم ”مجاہدین“ کو کاروائی ختم کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ انگریز کا مقصد پورا ہو چکا تھا اور اس حکم پر عمل کرانے کے لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں سے سرحد جانے والے چندہ پر پابندی لگا دی گئی اور تشدد اس قدر بڑھا کہ اہل سرحد کے ساتھ خط و کتابت رکھنے والوں پر بھی مقدمے قائم کر دیئے گئے۔

اس ضمن میں میاں صاحب کی بھی مخبری کر دی گئی کہ یہ بھی سرحد والوں سے خط و کتابت رکھتے ہیں:

”میاں صاحب پر بھی مواخذہ ہوا جو صرف مخبروں کی غلط خبر رسانی اور اہل کاروں کی غلطی پر مبنی تھا اور آپ تاتحقیقاتِ کامل کم و بیش ایک برس تک راولپنڈی کے جیل میں نظر بند رہے۔

دہلی میں میاں صاحب کے مکان اور مسجد کی جب تلاشی ہوئی، تو دوسروں (اہل سرحد) کے بھیجے ہوئے

خطوط بہ تعداد کثیر، بے ٹھکانے دری پر، چٹائی پر، دری کے نیچے، چٹائی کے نیچے، چارپائی کے نیچے، کتابوں میں پائے گئے۔ پوچھا گیا کہ آپ کے ہاں اس قدر بہ کثرت خطوط کیوں آتے ہیں؟ آپ نے کہا کہ وجہ اس کی تو بھیجنے والوں سے پوچھنی چاہیے یا ان خطوط میں دیکھنا چاہیے۔

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ، ص ۱۳۵)

خطوط دیکھے گئے ان میں کوئی ایسی بات نہیں ملی جس سے انگریز کی مخالفت یا حکم عدولی کا سراغ مل سکے۔

”خطوط جو پڑھے گئے تو ان میں اس کے سوا کیا دھرا تھا کہ فتویٰ کا سوال ذیل میں درج ہے۔ حضور اس کا جواب جلد بھیج دیں۔ فلاں مسئلے میں کیا حکم ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔“

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ، ص ۱۳۶)

ظاہر ہے ان خطوط میں انگریز دشمنی کا کوئی مواد نہ تھا۔ اس کے برعکس اس قسم کا کوئی فتویٰ مل سکتا تھا، پوچھا گیا کہ مولوی عبداللہ صاحب جو علاقہ خراسان میں ہیں، وہ امام وقت ہیں یا نہیں؟ یہ عبداللہ صاحب ”مجاہدین کے امیر تھے۔ میاں صاحب نے جواب میں امام اکبر کی شرائط بیان کرنے کے بعد لکھا:

”اب میں کہتا ہوں کہ مولوی عبداللہ جو علاقۂ خراسان میں ہیں بسبب فقدان شرطِ اول کے یعنی قریشی نہ ہونے کے امام نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انصاری ہیں۔

(فتاویٰ نذیریہ (بحوالہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد) ج ۳، ص ۲۸۲)

جب میاں صاحب، عبداللہ صاحب کو امام ہی تسلیم نہیں کرتے، تو ان سے ربط وضبط یا مالی امداد کیا معنی رکھتی ہے اور انگریز کو کھٹک کیوں باقی رہتی؟

”الغرض بعد تحقیقات کامل یہ بات روز روشن کی طرح کھل گئی کہ ان پر مواخذہ محض ناجائز ہے اور یہ بالکل بری الذمہ ہیں، اس لیے رہا کر دیئے گئے۔

یہ باتیں ہیں جو میاں صاحب کے ظاہر باطن کے یکساں ہونے پر دلالت کرتی ہیں، وہ جس طرح غدر ۱۸۵۷ء میں مسز لیسنس کی جان بچانے سے وفادار ثابت ہوئے تھے، اسی طرح ۱۸۶۴-۶۵ء میں مقدمہ بغاوت میں بھی بے لگاؤ ٹھہرے۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۳۷)

کہا جاتا ہے:

”جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کو انگریزوں نے غدر کا نام دیا۔“

(ظہیر: البریلویۃ، ص ۳۷)۔ (ترجمہ)

حالانکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ میاں صاحب کے اہل حدیث سوانح نگار بھی اس جنگ کو غدر ہی قرار دے رہے ہیں، خود میاں صاحب کہتے تھے:

”میاں وہ ہلڑ تھا، بہادر شاہی نہ تھی۔“

(فتاویٰ نذیریہ (بحوالہ پندرہ روزہ تقاضے، لاہور، ۱۸۵۷ء کا جہاد) ج ۳، ص ۱۲۵)

اس عنوان پر اگر علمائے اہل حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے، تو ایک مبسوط مقالہ تیار کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ اس سے پہلے جو سرٹیفکیٹ نقل کیے جا چکے ہیں، وہ اس مقدمہ کے بعد کے ہیں۔

سفر حج اور کمشنر دھلی کی چٹھی

۱۳۰۰ھ/۱۸۸۳ء میں میاں صاحب نے حج کا ارادہ کیا اور اس خیال سے کہ مخالفین جس طرح ۱۸۶۴ء کے مقدمہ میں غلط بیانی سے الجھا چکے ہیں، کہیں اس سفر میں بھی پریشان نہ کریں، کمشنر دہلی سے مل کر یہ صورت حال بیان کی۔ کمشنر نے ایک چٹھی انہیں دی جو ان کی وفاداری کا سرٹیفکیٹ تھی اور وہ یہ تھی:

”مولوی نذیر حسین دہلی کے ایک بڑے مقتدر عالم ہیں، جنہوں نے نازک وقتوں میں اپنی وفاداری گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ثابت کی ہے۔ وہ اپنے فرض زیارتِ کعبہ کے ادا کرنے کو مکہ جاتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ جس کسی برٹش گورنمنٹ افسر کی وہ مدد چاہیں گے، وہ ان کو مدد دے گا، کیونکہ وہ کامل طور سے اس مدد کے مستحق ہیں۔

دستخط: جے ڈی ٹریملٹ بنگال
سروس کمشنر، دہلی وسپرنٹنڈنٹ
۱۰ اگست ۱۸۸۳ء (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۴۰)

اللہ اکبر! انبیاء و اولیاء سے استمداد و استعانت (جو توسل ہی کی قسم ہے) کو شرک قرار دینے والوں کا گورنمنٹ انگریزی سے یوں استمداد و استعانت کرنا اور وہ بھی سفر حج میں کیونکر مقتضائے توحید بن گیا؟

ایک چِٹھی مسٹر لیسنس سے بھی حاصل کی، جنگ کے دنوں جس کی میم کو گھر میں پناہ دی تھی۔

”دوسری چِٹھی مسٹر لیسنس نے بنام کونسل جدہ کے دی جس میں آپ کی خیرخواہی زمانہ غدر کا مفصل بیان تھا۔ انہوں نے یہ بھی جتا دیا تھا کہ ان کے مخالفین بھی بہت ہیں اور ان میں سے بعض مکہ معظّمہ میں یہاں سے بھاگ کر مقیم ہو گئے ہیں۔ مسٹر لیسنس نے یہ بھی استدعا کی تھی کہ برٹش گورنمنٹ کانسل، کا فرض ہے کہ ان کو ان کے مخالفین کے شر و فساد سے بچائے، یہ چِٹھی برٹش کانسل، مقیم جدہ (مکتوب الیہ) نے اپنے پاس رکھ لی۔ (فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ ص ۱۴۱-۱۴۰)

اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں میاں صاحب پر جو مقدمہ قائم کیا تھا، وہ غلط مخبری کی بناء پر تھا۔ اب انگریز کا دل ان کی طرف سے مکمل طور پر صاف ہو چکا تھا۔

ہندوستان دارالامان

فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:

”ہندوستان کو ہمیشہ میاں صاحب دارالامان فرماتے تھے، دارالحرب کبھی نہ کہا۔

(فضل حسین بہاری: الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۳۴)

گورنمنٹ خدا کی رحمت

میاں صاحب کے تلمیذ خاص اور سفرِ حج کے رفیق مولوی تلطف حسین نے ایک موقع پر پاشا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

”ہم یہ کہنے سے معذور سمجھے جائیں کہ انگریزی گورنمنٹ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کے لیے خدا کی رحمت ہے۔ (فضل حسین بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۱۶۲)

امام احمد رضا بریلوی کا فتوٰی یہ تھا کہ ہندوستان دارالاسلام ہے دارالحرب نہیں ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ ”دو اہم فتوے“ اس موقف کے سمجھنے میں مدد ملے گی۔ امام احمد رضا بریلوی کو اس موقف کی بناء پر آزادیٔ وطن کی تحریکوں کا مخالف، جہاد کی حرمت کا قائل اور دوسروں کی خوشنودی کے لیے دارالاسلام ہونے کا فتوٰی دینے والا قرار دیا جاتا ہے۔ (ظہیر: البریلویۃ، ص ۴۰)

کیا یہ سب فتوے میاں نذیر حسین اور ان کے شاگرد مولوی تلطف حسین پر بھی لگائے جائیں گے؟

نواب صدیق حسن خاں بھوپالی

نواب صدیق خاں بھوپالی ابن اولاد حسن قنوجی ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہتہ الخواطر، ج ۸، ص ۱۸۷)۔ ابتدائی کتابیں اپنے بھائی سے، پھر فرخ آباد اور کانپور کے اساتذہ سے پڑھیں، پھر زیادہ تر درسِ نظامی کی کتابیں صدرالصدور مفتی صدرالدین خاں آزردہ سے پڑھ کر سندِ تحصیل حاصل کی۔ پھر بھوپال میں قاضی زین العابدین انصاری یمانی سے حدیث کا درس لیا۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہتہ الخواطر، ج ۸، ص ۸-۱۸۷)

زینۂ ترقی

۱۲۸۶ھ/۱۸۷۰ء میں بھوپال کے محکمۂ نظارت المعارف، پھر محکمہ دیوان الانشاء میں ملازم ہوئے۔ ملکہ بھوپال نواب شاہجہان بیگم بیوہ تھیں، ان کے شوہر نواب باقی محمد خاں کئی سال پہلے فوت ہو گئے تھے۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہتہ الخواطر: ج ۸، ص ۸-۱۸۷)

۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء میں حکومت برطانیہ کے ایماء پر ملکہ بھوپال نے نواب صاحب کے ساتھ نکاح کر لیا۔

نواب صاحب کا بیان ہے:

ثم تزوجت بی فی سنة ۱۲۸۸ھ بعد ماجازته بذالك السلطنة البرطانية فی عهد حكومة لارد ميو حاكم الهندنزيل دارالا مارة كلكته۔

(نواب صدیق حسن بھوپالی: ابجد العلوم (مکتبہ قدوسیہ، لاہور) ج ۳، ص ۲۸۴)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

”جب دوسرا سال گزرا، رئیسہ معظّمہ نے اپنی زوجیت سے مجھے عزت وافتخار بخشا اور یہ امر باطلاعِ گورنمنٹ عالیہ وحسبِ مرضی سرکارِ انگلشیہ ظہور میں آیا۔“

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۸)

اس جگہ قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر گورنمنٹ کو ملکہ کے نکاح کرنے اور خاص طور پر نواب صاحب ہی کے ساتھ کیا دلچسپی تھی؟۔۔۔ نواب صاحب کے سوانح نگاروں نے اس عقدہ کو حل نہیں کیا، لیکن اس سوال کا جواب سوائے اس کے کیا ہو سکتا ہے کہ نواب صاحب گورنمنٹ کے انتخاب اور معیار پر پورے

اُترتے تھے، انہیں نوازنا مقصود تھا، اس لیے نوازا اور خوب نوازا۔ یہاں تک کہ ملکۂ بھوپال کو ان کے ساتھ عقد پر مجبور کر دیا۔ ۱۸۵۷ء کو جنگ آزادی میں جنہوں نے کسی طور پر حصہ لیا تھا، وہ یا تو اگلے جہان پہنچ چکے تھے یا کالے پانی اور جیلوں میں زندگی کی گھڑیاں گن رہے تھے۔ نواب صاحب ایسے خوگرانِ وفا کو نہ نوازا جاتا، تو کسے نوازا جاتا۔

نواب صاحب لکھتے ہیں:

''یہ علاقہ موجب ترقی منصب اور عروج وعزتِ روزافزوں کا ہوا اور چوبیس ہزار روپیہ سالانہ اور خطاب معتمدالمہامی سے سرفرازی حاصل ہوئی اور خلعتِ گرامی قیمتی دو ہزار روپیہ مع اسپ وفیل وچنور وپالکی وشمشیر وغیرہ عنایت ہوا، بعد چندے خطاب نوابی وامیر الملکی ووالا جاہی ۱۷ فیر شلنگ سے سربلندی عطا فرمائی اور اقطاع یک لک روپیہ سال اس پر مزید مرحمت ہوئے۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۸)

یہ بھی نواب صاحب کا بیان ہے:

''ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ سے مذہب شیعی یا حنفی رکھتے ہیں۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۴۳)

اور ہند کے اکثر حنفی اور بعض شیعہ اور کمتر اہل حدیث ہیں۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۷)

نواب صاحب اور دیگر علماء اہل حدیث نے مسلمانانِ ہند کے قدیم اور اکثریت کے طریقے سے برأت کر کے الگ راہ اختیار کی:

''ہم لوگ صرف کتاب وسنت کی دلیلوں کو اپنا دستور العمل ٹھہراتے ہیں، اور اگلے بڑے بڑے مجتہدوں اور عالموں کی طرف منسوب ہونے سے عار کرتے ہیں۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۰)

حقیقت یہ ہے کہ احناف کتاب وسنت کے دلائل پر ہی عمل کرتے ہیں۔ وہ دلائل جو دنیا بھر کی مسلم آبادی کی اکثریت کے امام، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اس مذہب کے دیگر ائمۂ نے بیان کیے ہیں،

جبکہ نواب صاحب اور ان کے ہم خیال اپنے فہم اور اپنے استدلال پر اس قدر اعتماد کرتے ہیں کہ ائمۂ مجتہدین کے دلائل کو خاطر میں ہی نہیں لاتے۔ نواب صاحب کی یہی ادا گورنمنٹ کی نظروں میں باعثِ محبوبیت تھی۔

''اور یہ آزادگی ہماری مذاہب مروجہ جدیدہ سے عین مراد قانون انگلیشہ ہے''۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۰)

حکیم عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں:

وكان كثير النقل عن القاضى الشوكانى وابن قيم وشيخه ابن تيمية الحرانى وامثالهم، شديد التمسك بمختار اتهم وكان له سوء ظن بائمة الفقه والتصوف جدا، لاسيما ابى حنيفة ۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۹۱)

قاضی شوکانی، ابن قیم اور ان کے شیخ ابن تیمیہ حرانی وغیرہ ہم کی عبارات بہت نقل کرتے اور ان کے مختارات کو شدت کے ساتھ اپناتے، وہ ائمۂ فقہ وتصوف، خصوصاً امام ابوحنیفہ سے بہت بدگمانی رکھتے تھے۔''

اسی طرزِ عمل کے پیش نظر نواب وحیدالزماں نے لکھا تھا:

''ہمارے اہل حدیث بھائیوں نے ابن تیمیہ اور ابن قیم اور شوکانی اور شاہ ولی اللہ صاحب اور مولوی اسماعیل شہید نوراللہ مرقدہم کو دین کا ٹھیکیدار بنا رکھا ہے۔ جہاں کسی مسلمان نے ان بزرگوں کے خلاف کسی قول کو اختیار کیا بس اس کے پیچھے پڑ گئے، برا بھلا کہنے لگے، بھائیو! ذرا تو غور کرو اور انصاف کرو، جب تم نے ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کی تقلید چھوڑی، تو ابن تیمیہ اور قیم اور شوکانی جو ان سے بہت متاخر ہیں، ان کی تقلید کی کیا ضرورت ہے؟

(محمد عبدالحلیم چشتی: حیات وحدے الزماں (نور محمد، کراچی) ص ۱۰۲)

نواب صاحب کا دوسرا امتیازی وصف گورنمنٹ سے وفاداری تھا، چنانچہ ایک موقع پر کچھ مخالفین نے ان کے خلاف گورنمنٹ کے کان بھرنا چاہے:

''مگر حکام عالی منزلت، یعنی کارپرداز ان دولتِ انگلشیہ کو چونکہ تجربہ اس ریاست کی خیر خواہی اور وفاداری کا عموماً اور اس بے صولت و دولت کا خصوصاً ہو چکا ہے، اس لیے تہمت ان کی پایۂ ثبوت کو نہ پہنچی۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی: ترجمانِ وہابیہ، ص۲۹)

جهاد کا عزم گناه کبیره هے

نواب صاحب لکھتے ہیں:

’’علماء اسلام کا اسی مسئلہ میں اختلاف ہے کہ ملکِ ہند میں جب سے حکام والا مقام فرنگ فرماں روا ہیں، اس وقت سے یہ ملک دارالحرب ہے، یا دارالاسلام؟ حنفیہ جن سے یہ ملک بھرا ہوا ہے، ان کے عالموں اور مجتہدوں کا تو یہی فتویٰ ہے کہ ’’دارالاسلام‘‘ ہے اور جب یہ ملک دارالاسلام ہو تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا معنی؟ بلکہ عزم جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔

اور جن لوگوں کے نزدیک یہ دارالحرب ہے جیسے بعض علماء دہلی وغیرہ ان کے نزدیک بھی اس ملک میں رہ کر اور یہاں کے حکام کی رعایا اور امن وامان میں داخل ہو کر کسی سے جہاد کرنا ہرگز روا نہیں۔ جب تک کہ یہاں سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک اسلام میں جا کر مقیم نہ ہو۔ غرض یہ کہ دارالحرب میں رہ کر جہاد کرنا اگلے پچھلے مسلمانوں میں سے کسی کے نزدیک جائز نہیں۔‘‘

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص۱۵)

’’وچوں بر اسلام باقی ماند جها ددراں یعنی چه بلکه گناه از گناه وکبیرۂ از کبائر باشد۔‘‘

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: عوائدالموائد (مطبع صدیقی، بھوپال) ص۳۴)

اور جب ہندوستان دارالاسلام ہے، تو یہاں جہاد کا کیا مطلب؟ بلکہ گناہوں میں سے ایک گناہ اور کبائر میں سے ایک کبیرہ ہے۔

۱۸۵۷ء کے مجاهدین مرتکب کبیره

وآنانکه اقدام برقتل اصحابِ دولت برطانیه یا دیگر مردم مے کنند خود ایشان از علم و دین بے بهرۂ محض افتاده اند۔ هر که شریعت اسلام رابروجه تحقیق می شناسد ازوے هرگزایں جریمۂ کبیره سرزدنمی تواندشد۔‘‘ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: عوائدالموائد (مطبع صدیقی، بھوپال) ص۳۸)

جولوگ اربابِ حکومتِ برطانیہ یا دوسرے لوگوں کے قتل پر اقدام کرتے ہیں، وہ خود علم اور دین سے محض بے بہرہ واقع ہوئے ہیں، جو شخص تحقیقی طور پر شریعت اسلام کو پہچانتا ہے، اس سے یہ بڑا جرم (گناہ کبیر) سرزد نہیں ہوسکتا۔

شرائط جہاد مفقود ہیں

ساری دنیا میں کوئی معتقد اس امر کا کہ جہاد و قتال خاص سرکارِ انگلشیہ سے جائز ہے، دوسرے سے نہیں، ہرگز نہیں، اس لیے کہ شرطیں اس عمل کی بتمامہا مفقود ہیں اور جمع ہونا ان شرطوں اور ضابطوں کا نہایت دشوار ہے۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۳۰)

”غدر“ میں اہل حدیث نے حصہ نہیں لیا

”جتنے لوگوں نے غدر میں شر فساد کیا اور حکام انگلشیہ سے برسرِ عناد ہوئے وہ سب کے سب مقلدانِ مذہب حنفی تھے، نہ متبعانِ حدیث نبوی۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۲۵)

جہاد نہیں فساد تھا

”اسی طرح زمانہ غدر میں جو لوگ سرکارِ انگریزی سے لڑے اور عہد شکنی کی، وہ جہاد نہ تھا، فساد تھا۔

(صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۴)

سب سے زیادہ خیر خواہ

”کوئی فرقہ ہماری تحقیق میں زیادہ تر خیر خواہ اور طالبِ امن و امان و آسائش رعایا کا اور قدر شناس بندوبست گورنمنٹ کا اس گروہ سے نہیں ہے جو آپ کو اہل سنت و حدیث کہتا ہے اور کسی مذہبِ خاص کا مقلد نہیں۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، نواب: ترجمانِ وہابیہ، ص ۵۸)

ملکہ بھوپال کے اعزازات

بھوپال میں اصل اقتدار نواب شاہجہان بیگم کے پاس تھا، نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے ابجد العلوم کی تیسری جلد میں ملکہ کا تذکرہ کیا ہے اور خاص طور پر گورنمنٹ کی طرف سے ملنے والے اعزازات کا ذکر کیا ہے۔ عربی عبارت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

- ۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء میں ملکہ نے بمبئی کا سفر کیا، وہاں اُسے پہلے درجے کا بلند خطاب، اور وزیر اعظم

کے قلم سے ”ممبر آف دی امپیریل آرڈر آف دکرنڈ کمنڈر اشتار اف ‘انڈیا’“ کا شاہی نشان ملا اور وہ خاص اعزاز کے ساتھ خوش خوش بھوپال آئی۔

- ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں ملکہ دارالحکومت کلکتہ گئی اور وہاں ملکہ انگلستان کے بڑے لڑکے اور ولی عہد پرنس آف ویلز سے ملاقات کی۔ پرنس نے ملکہ کی بہت تعظیم کی، گراں قدر تمغہ اور انگلستان کے منصوعہ قیمتی تحائف پیش کیے۔

- اس سے پہلے ویلز کے بھائی پرنس ایڈنبرا سے ملاقات کی تھی اور اس نے بھی ملکہ کی انتہائی تعظیم کی تھی، اور لندن سے ان کے لیے قیمتی اشیاء بھیجی تھیں اور حسبِ عادت میں بھی ان سفروں میں ان کے ساتھ تھا۔

- پھر ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں ملکہ نے دہلی کا سفر کیا اور انہیں عظیم الشان شاہی نشان ملا جس پر لکھا ہوا تھا۔ العزمن اللہ“۔

- گورنر جنرل نے ملکہ کو فرنگی تلوار، طلائی پٹکا اور جڑاؤ صندوق دیا تھا اور یہ پٹکا ہم محافل میں زیب تن کرتے ہیں اور اس عظیم دربار اور بڑے اجتماع میں جہاں ہندوستان کے دور نزدیک کے تمام رؤسا حاضر تھے، ماضی کی تاریخ میں ایسا پرشوکت اجتماع نہیں ہوا ہوگا۔ ہمارے ملکۂ انگلینڈ کی طرف سے سترہ توپوں کی سلامی مقرر کی گئی جو ہمیں برطانیہ کے زیرِ نگیں علاقہ میں جانے اور آنے پر پیش کی جائے گی۔

- پھر ملکہ بھوپال کو ایک اور خطاب ”کراؤن آف انڈیا“ ملا، جس کا ترجمہ تاج ہند ہے۔

(صدیق حسن خان بھوپالی، نواب: ابجد العلوم، ج۳، ص۲۸۵-۶)

ان تمام محافل میں نواب صاحب کی حیثیت اگرچہ ثانوی تھی، تاہم برطانوی حکام کی نگاہ میں ان کی وفاداری کسی طرح بھی مشکوک نہ تھی، ورنہ وہ انہیں ملکہ کے شوہر نامدار کی حیثیت سے کبھی تسلیم نہ کرتے۔ آخر میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

”مختصر یہ کہ ملکہ اس آخری زمانے اور نادار عصر میں ان فضائل کی جامع ہیں جو عورتوں میں کجا مردوں میں بھی بہت کم جمع ہوئے ہوں گے۔ وہ ان کمالات کی حامل ہیں جن کے بیان سے ترجمان کی زبان قاصر ہے اور یہ ان کے بلند مناقب کے میدان سے ایک ذرہ اور ان کی بزرگیوں کے دریاؤں سے ایک قطرہ ہے۔ (صدیق

حسن خان بھوپالی، نواب: ابجد العلوم، ج ۳، ص ۶-۲۸۵)

دورِ ابتلاء

اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ نواب صاحب کے مخالفین انہیں حکومت کی نظروں میں گرانے کی کوششوں میں لگے رہتے تھے۔ دوسری طرف گورنمنٹ کو جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں زبردست دھچکا لگ چکا تھا، اس لیے جس شخص کے بارے میں زرہ برابر بھی شبہ پیدا ہو جاتا، اس کے خلاف شدید سے شدید تر کاروائی سے بھی گریز نہ کیا جاتا۔

انگریزی حکومت کے وکیل نے ازراہِ دشمنی ہندوستان کے حکام کے پاس شکایت کی اور نواب صاحب پر درج ذیل الزامات لگائے:

۱۔ یہ تہمت لگائی گئی کہ انہوں نے اپنی بعض تالیفات میں جہاد کی ترغیب دی ہے۔

۲۔ وہ ہندوستان میں وہابی مذہب کی ترویج میں کوشاں ہیں اور اس مذہب والے وہ ہیں، جن پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی تہمت لگائی گئی ہے اور انہیں جہاد کا بہت شوق ہے۔

۳۔ انہوں نے ملکۂ بھوپال شاہجہان بیگم کو شرعی پردہ پر مجبور کیا ہے تاکہ نواب صاحب کو حکومت کے کلی اختیارات حاصل ہو جائیں، وغیرہ وغیرہ“۔

(ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۹۰)۔ (ترجمہ)

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ملکہ، انگریزی حکام سے پردے کے بغیر ملاقاتیں کرتی تھی اور نواب صاحب کی مجبوری یہ تھی کہ انہیں منع نہیں کر سکتے تھے، نیز علی میاں (ابوالحسن علی ندوی) نے یہ بھی تصریح کر دی کہ وہابیہ پر انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی تہمت لگائی گئی تھی، حقیقت کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

نواب صاحب کی تصنیف ترجمانِ وہابیہ اور موائد العوائد وغیرہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ وہ انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد کو ناجائز اور گناہِ کبیرہ قرار دیتے تھے۔

”جب یہ ملک دارالاسلام ہوا، تو پھر یہاں جہاد کرنا کیا، معنی، بلکہ عزمِ جہاد ایسی جگہ ایک گناہ ہے بڑے گناہوں سے۔“ (صدیق حسن خاں بھوپالی، ترجمانِ وہابیہ، ص ۱۵)

اسی طرح وہ وہابی ہونے کی سختی سے تردید کرتے ہوئے نظر آتے ہیں:

”جو لوگ ہند کے باشندوں کو وہابی ٹھہرا کر محمد بن عبدالوہاب نجدی کی طرف منسوب کرتے ہیں، ان کی عقل پر خدا کی طرف سے پردہ پڑا ہوا ہے۔ (صدیق حسن خاں بھوپالی، ترجمانِ وہابیہ، ص ۳۱)

لیکن نوشتۂ تقدیر کون مٹا سکتا ہے۔ مخالفین کی شکائتیں رنگ لائیں اور ۱۳۰۲ھ / ۱۸۸۵ء میں یہ کاروائی کی گئی:

فانتزعت منه القاب الامارة والشرف التى منحته اياهاالحكومة الانجليزية والغى الامر باطلاق المدافع تعظيما۔ (ابوالحسن علی ندوی، نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۱۹۰)

ان سے امارۃ اور عزت کے القاب سلب کر لیے گئے جو انہیں انگریزی حکومت نے عطا کیے تھے اور ازراہِ تعظیم توپیں داغنے کا سلسلہ بھی ختم کر دیا گیا۔

خدا یاد آیا

اس سے پہلے بھی گزر چکا ہے کہ نواب صاحب دورِ نوابی میں فقہ اور تصوف کے ائمۂ کے حق میں سوء ظن رکھتے تھے، لیکن اب جو وہ سب کچھ قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔ ایسے عالم میں انسان کا رجوع اللہ تعالیٰ اور اللہ والوں کی طرف ہو جاتا ہے۔ یہی ان کے ساتھ بھی ہوا:

حتى انه وفق بالتوبة عما كان عليه من سوء الظن بائمة الفقه والتصوف وكتب ذٰلك فى آخر مقالات الاحسان ومقامات العرفان وهو ترجمة فتوح الغيب للشيخ الامام عبدالقادر الجيلى رضى الله عنه وهو آخر مصنفاته ثم بعثه الٰى دار الطباعة فطبع و وصل اليه فى ليلة تو فى الٰى رحمة الله سبحانهٗ فى تلك الليلة۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم رحمۃ اللہ علیہ الخواطر، ج ۸، ص ۳-۱۹۶)

یہاں تک کہ انہیں فقہ و تصوف کے ائمۂ کے حق میں بدگمانی سے توبہ کی توفیق نصیب ہوئی۔ یہ بات انہوں نے ”مقالات الاحسان ومقامات العرفان“ کے آخر میں لکھی اور یہ شیخ، امام عبدالقادر جیلی رضی اللہ عنہ کی تصنیف فتوح الغیب کا ترجمہ ہے اور نواب صاحب کی آخری تصنیف، انہوں نے یہ کتاب پریس میں بھیج دی تھی اور اس رات چھپ کر پہنچی جس رات ان کی وفات ہوئی۔

وفات

۱۹/ جمادی الآخرہ ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ءکونواب صاحب کی وفات ہوئی:

وقد صدر الامر من الحکومة الانجلیزیة ان یشیع ویدفن بتشریف لائق بالامراء واعیان الدولة کما کان لوبقیت له القاب الملوکیة والمراسیم الامیریة۔

(عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہتۃ الخواطر، ج۸، ص۳-۱۹۲)

انگریزی حکومت نے حکم جاری کیا کہ انہیں نوابوں والی شان وشوکت کے ساتھ دفن کیا جائے، جیسے اس وقت دفن کیا جاتا، جبکہ ان کے شاہی القاب اور امیرانہ نشانات برقرار ہوتے۔

بحالی

ماہِ ذوالحجۃ، ۱۳۰۷ھ/ ۱۸۹۰ء میں وفات کے پانچ ماہ بعد حکومت نے لقب ’’نواب‘‘ **وردت الیه الحکومةلقب الامارة نواب‘‘ فی سلخ ذی الحجةسنة سبع وثلاث مائة والف۔**

(ابوالحسن علی ندوی: نزاہتۃ الخوطر، ج۸، ص۱۹۰)

یعنی ایک بار پھر نواب صاحب انگریزی حکومت کے ہاں سرخرو قرار پائے اور بغاوت و جہاد وغیرہ کے شبہات غلط ثابت ہوئے، نواب صاحب کی روح اس وقت یہ کہہ رہی ہوگی ؎

کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

تصانیف

’’نواب صاحب نے ۲۲۲ کتابیں لکھیں‘‘۔ (ابوالحسن علی ندوی: نزہتۃ الخواطر، ج۸، ص۱۹۰)۔

ولٰلکنه لاتخلواتصانیفه عن اشیاء ، اماتلخیص اوتجرید اونقل من لسان الٰی لسان اٰخر۔ (عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہتۃ الخواطر، ج۸، ص۱۹۱)

لیکن ان کی تصانیف، تصنیف کے زمرے میں نہیں آتیں یا تو کسی کتاب کی تلخیص ہیں یا تجرید، یا ایک زبان سے دوسری زبان میں ترجمہ کی ہوئی ہیں۔‘‘

دعوائے مجددیت

مولوی فضل حیسن بہاری اہل حدیث لکھتے ہیں:

"نواب صدیق حسن خاں اور مولانا ابوالحسنات، مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے باہمی مباحثات کو جس نے دیکھا ہوگا، وہ دیکھ لے گا کہ اپنی اپنی زبان سے مجدد ہونے کا کیونکر دعویٰ کیا گیا۔"

(فضل حسین بہاری، الحیاۃ بعد المماۃ، ص ۸-۲۱۷)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

معروف قلم کار اور ادیب ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۲ء میں بجنور میں پیدا ہوئے بجنور اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی۔ دو سال کنجاہ، پنجاب میں مدرس رہے۔ پھر کانپور چلے آئے تعزیراتِ ہند کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا:

وکان یقع فی الحدیث الشریف وفی رواتہ و یقول ھم جھال لایعرفون العلوم الحکمیة ولامعافی الاحادیث الحقیقیة۔

(عبدالحی لکھنوی، حکیم: نزہۃ الخواطر (نور محمد، کراچی) ج ۸، ص ۴۹۴)

حدیث شریف اور اس کے راویوں پر اعتراض کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ جاہل تھے، علوم حکمیہ اور احادیث کے معانی حقیقیہ نہیں جانتے تھے۔

ترجمۂ قرآن

انہوں نے قرآن پاک کا اُردو ترجمہ کیا اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، عربی اور اُردو میں مہارت کا دعویٰ رکھتے تھے:

ویوخذ علیه انه قد یختار التعبیر الذی لا یلیق بالملك العلام وجلال الکلام لغرامه باستعمال ماجری علی لسان اهل اللغة وشاع فی محاورة بعضهم لبعض وقد یتورط بذالك فیما یثیر علیه النقد والائمّة۔

(ابوالحسن علی ندوی: نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۹۴)

اُن پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ ترجمہ میں ایسے الفاظ لے آتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اور کلام الٰہی کی عظمت کے لائق نہیں ہیں۔ (اس لحاظ سے امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ، کا ترجمہ، قرآن کنز الایمان، بے

نظیر ہے کہ اس میں تعظیم الومیت اور احترام رسالت ونبوت کا پورا پورا لحاظ کیا گیا ہے ۱۲ (قادری)۔ کیونکہ انہیں اہل زبان کے استعمالات اور ان کے محاورات سے بہت شغف ہے، اس لیے وہ ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جن کی بناء پر ان پر تنقید اور ملامت کی جاتی ہے۔

سرسید کے تعلیمی نظریات کے بڑے موید تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں وہ دہلی میں رہے، لیکن تحریک سے کوئی تعلق نہ رکھا۔

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

پرنسپل ٹیلر نے محمد حسین آزاد کے گھر پناہ لی۔ ذکاء اللہ اپنے محبوب استاد پروفیسر رام چندر کی حفاظت کے لیے بھاگے بھاگے پھر رہے تھے اور نذیر احمد نے اپنے سسرال والوں کے تعاون سے ایک زخمی خاتون لیسنس کی جان بچائی۔۔۔۔ اگرچہ اس خیر خواہی کا سہرا خاندان کے دو بزرگوں (مولوی عبدالقادر اور مولوی نذیر حسین) کے سر ہے، لیکن اس میں شک نہیں کہ اس موقع پر نذیر احمد کی کارگزاری بھی کسی سے کم نہیں تھی۔

(افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: مولوی نذیر احمد دہلوی (مجلسِ ترقی ادب، لاہور) ص ۱۸۰)

انگریزھی سلطنت کے اہل ہیں

ڈپٹی صاحب ایک لیکچر میں کہتے ہیں:

”۱۸۵۷ء کے غدر میں، میں اپنے دل ہی دل میں کہا کرتا تھا کہ انگریز بھلے ہوں تو سمٹ کر تھوڑے دنوں کے لئے سمندر میں ہو رہیں۔ یہ ہی باغیان ناعاقبت اندیش بر خود غلط، جو عملداری کے تنزل سے خوش ہیں، چند روز میں عاجز آ کر بہ منت انگریزوں کو منا لائیں تو سہی۔ میرا اس وقت کا فیصلہ یہ تھا کہ انگریز ہی سلطنت ہندوستان کے اہل ہیں۔“ (افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص ۱۵۶)

ایک لیکچر کے چند نکات ملاحظہ ہوں:

- لاتفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔۔۔۔۔۔

پس ہم مسلمان تو مذہباً اطاعت احکام پر مجبور ہیں اور جو فعل موہم سرکشی ہو، ہمارے یہاں منہیات شرعیہ میں سے ہیں۔

- انگریزوں کے ہم مسلمانان ہند پر اتنے حقوق ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں اور ہم سے عہد امن رکھتے

ہیں اور تیسری بات یہ کہ ان کی حکومت، حکومت صالحہ ہے۔

انگریزوں کی حکومت اگر حکومت صالحہ نہ ہوتی، تاہم مُسامن ہونے کی حیثیت سے ان کی خیرخواہی اور اطاعت ہمارا فرض اسلامی ہوتا، فکیف جبکہ امن، آسائش اور آزادی کے اعتبار سے ہمارے حق میں خدا کی رحمت ہے اگر انگریز نہ آتے تو ہم کبھی کے کٹ مرے ہوتے۔

(افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص ۱۶۰)

ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنے خطبات اور مذہبی تصانیف میں نہ صرف انگریزی حکومت کی اطاعت کی تلقین کی، بلکہ انگریزوں سے معاشرتی روابط پیدا کرنے کے حق میں بھی مذہبی دلائل پیش کئے۔

(افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص ۳۸۶)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ان الفاظ میں تلقین کرتے ہیں:

”آخر ہم ہندؤوں میں رہتے ہیں، ان سے ملتے جلتے ہیں اور ان کے ساتھ راہ و رسم رکھتے ہیں، تو انگریزوں کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ہم کو دنیاوی ارتباط رکھنا چاہیئے اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے کیونکہ دریا میں رہنا اور مگرمچھ سے بیر نبھ نہیں سکتا۔ (افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص ۱۵۹)

انعام

ڈپٹی نذیر احمد کی کتاب ”مرآۃ العروس“ پر حکومت نے گراں قدر انعام سے نوازا۔ مسٹر کیمپسن، ناظم تعلیمات صوبہ شمالی مغربی نے ان کی کتابیں دیکھیں، تو پسند کیں اور فرمائش کی کہ ان کی نقلیں میرے پاس بھیج دو: دو ماہ بعد انہوں نے اطلاع بھیجی کہ مرآت العروس ایک ہزار روپے کے اوّل انعام کے لئے حکومت کے سامنے پیش کی جارہی ہے۔ صوبے کے لیفٹینینٹ گورنر ولیم میور نے آگرہ کے دربار میں انعام سے نوازا، مصنف کی عزت افزائی کے لئے اپنی جیب خاص سے ایک گھڑی مرحمت فرمائی۔ حکومت کی طرف سے کتاب کی دو ہزار جلدیں خریدی گئیں۔ (افتخار احمد صدیقی، مولوی نذیر احمد دہلوی، ص ۸۷)

ڈپٹی نذیر احمد نے سر ولیم میور کی شان میں ایک عربی قصیدہ لکھا جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

فانی اذا مارمت اظهار شکرکم

تقصر عنه منطقی و بیانی
ولم ار قبلی قط من نال غاية
تخلف عنها اهل كل زمانِ
نقودی فلی فی الفه الف حاجة
قضاء ديون و افتكاك رهانِ
و غيرهما مالا اكاداعدها
وذا ساعتی صيغت من العقيانِ
اقلدها جيدی ليعلم أننی
لسر وليم فی ربقة الاحسانِ

میں جب آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں، تو میری گفتگو اور قوت گویائی ساتھ نہیں دیتی۔

میں نے ایسا کوئی شخص نہیں دیکھا جس نے اس سے پہلے وہ بلند مقام حاصل کیا ہو جس سے تمام اہل زمانہ پیچھے رہ گئے ہیں۔

ایک ہزار نقد میں میری ہزار حاجتیں ہیں۔ قرضوں کی ادائیگی اور رہن کی واگزاری۔

ان کے علاوہ بے شمار حاجتیں ہیں، اور یہ گھڑی ہے جو سونے سے بنائی جاتی ہے میں اسے اپنی گردن میں لٹکا کر رکھوں گا تا کہ معلوم ہو کہ میں سر ولیم کے قلادۂ احسان میں ہوں۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری

قاضی صاحب سیشن جج پٹیالہ اور مصنف رحمۃ للعالمین نے ۳۰ ؍مارچ ۱۹۲۸ء کو آل انڈیا اہل حدیث کانفرس کے پندرھویں سالانہ اجلاس آگرہ میں ایک طویل خطبہ دیا، جس میں کانفرس کے مقاصد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مقصد ششم

اس کانفرس کا حکومت کی وفاداری کے ساتھ ساتھ دینی دنیوی ترقی کا انتظام کرنا ہے۔ مجھے امید ہے کہ کوئی مسلمان بھی بغاوت یا مجرمانہ سازش یا معاندت سلطنت کا روادار نہیں، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ جل شانہ کا حکم

وینھٰی عن الفحشاء والمنکر والبغی یاد ہے اور ہمیشہ یاد رہنا چاہئے۔ (محمد سلیمان منصور پوری، قاجی، خطبات سلیمان، مسلمان کمپنی، سوہدرہ گوجرانوالہ، ص ۲۳۱)

مولوی ثناء اللہ امرتسری

مشہور مناظر مولوی ثناء اللہ امرتسری ۱۲۸۷ھ/۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے مولوی احمد اللہ امرتسری، مولوی عبدالمنان وزیرآبادی سے تعلیم پائی۔ دیوبند میں بھی پڑھتے رہے۔ کانپور میں مولانا احمد حسن کانپوری سے آخری کتابیں پڑھیں۔ تمام عمر امرتسر میں رہے۔ تقسیم کے بعد پاکستان آ گئے۔ ۲۶/جمادی الاولیٰ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء کو سرگودھا میں فوت ہوئے۔ (عبدالحی حکیم، نزہتہ الخواطر، نور مسجد کراچی، ج ۸، ص ۶ـ۹۵)

تفسیر یا تحریف ؟

ان کی تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن عربی نے خوب شہرت پائی، ان کے ہم مسلک اہل حدیث علماء نے اس تفسیر پر سخت تنقید کی۔ مولوی عبدالحی مورخ لکھتے ہیں:

وقد تعقب علیه بعض العلماء۔

بعض علماء نے اس پر تعاقب کیا ہے۔ (عبدالحی حکیم، نزہتہ الخواطر، نور مسجد کراچی، ص ۹۵)

یہ تعاقب اتنا سرسری نہیں تھا، جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ اہل حدیث کے مسلّم عالم مولوی عبداللہ غزنوی کے شاگرد مولوی عبدالحق غزنوی نے ایک رسالہ الاربعین میں چالیس ایسے مقامات کی نشان دہی کی ہے جو ان کے نزدیک قابل اعتراض تھے۔ اس تفسیر کے بارے میں ان کے تاثرات یہ ہیں:

الفاظ غلط، معانی غلط، استدلالات غلط، بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ ڈالی۔

(عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۳)

” حقیقت میں یہ بے انصاف، ناحق شناس، بدنام کنندہ نکونا مے چند ناحق اہل حدیث کو بدنام کرہا ہے، بلکہ اہل حدیث سے بالکل مخالف اور اہل سنت و جماعت سے خارج ہے۔ فلاسفہ اور نیچریوں اور معتزلہ کا مقلد ہے ناسخ و منسوخ، تقدیر، معجزات، کرامات، صفات باری، دیدار الٰہی، میزان، عذاب قبر، عرش، لوح محفوظ، دابۃ الارض، طلوع شمس از مغرب وغیرہ وغیرہ جو اہل سنت میں مسائل اعتقادیہ اجماعیہ ہیں اور آیات قرانیہ ان پر شاہد ہیں اور علماء اہل سنت نے اپنی تفاسیر میں بالاتفاق جن آیات کی تفسیر ان مسائل کے ساتھ کی

ہے۔ انہوں نے ان سب آیتوں کی بتقلید کفرۂ یونان وفرقہ ضالہ معتزلہ وقدریہ وجھیہ خذلھم اللہ محرف ومبدل کرکے سبیل مومنین کو چھوڑ کر اپنے آپ کو **ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ماتولیٰ و نصلہ جھنم و ساء ت مصیرا ٥١** کا مصداق بنایا۔ (عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۵)

یہ صرف مولوی عبدالحق غزنوی کی ذاتی رائے نہیں ہے، لاہور، امرتسر، راولپنڈی، ملتان، مدراس اور دیوبند وغیرہ کے چوراسی ذمہ دار علماء نے اپنے تقریظوں میں الاربعین کی تائید کرتے ہوئے اس تفسیر کو نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام اور متقدمین کی تفاسیر کے مخالف قرار دیا ہے۔ ان میں اکثریت علماء اہل حدیث کی ہے۔ یہ تمام تعریفیں الاربعین میں شامل کردی گئی ہیں۔

اہل حدیث کے امام مولوی عبدالجبار غزنوی لکھتے ہیں:

”مولوی مذکور نے اپنی تفسیر میں بہت جگہ تفسیر نبوی اور تفاسیر خیر القرون اور تفاسیر اہل سنت و جماعت کو چھوڑ کر تفسیر جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ فرق ضالہ کو اختیار کیا۔۔۔۔۔۔۔ بایں ہمہ اہل سنت و جماعت پھر اہل سنت میں فرقہ اہل حدیث کا دعویٰ کرنا اس کی دھوکہ دہی اور ابلہ فریبی ہے، بلکہ اہل حدیث تو درکنار اہل سنت جماعت سے خارج ہے۔

(عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۲۷)

اہل حدیث کے وکیل مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتے ہیں:

تفسیر امرتسری مرزائی کہا جائے تو بجا ہے تفسیر چکڑالوی کا خطاب دیا جائے تو روا ہے۔۔۔۔ اس کا مصنف اس تفسیر سراپا الحاد و تحریف میں پورا مرزائی، پورا چکڑالوی اور چھٹا ہوا نیچری ہے۔ (عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۴۳)

اسی پر بس نہیں ۱۳۴۴ھ/۱۹۲۶ء میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تجویز پر یہ مقدمہ سعودی عرب کے بادشاہ عبدالعزیز ابن سعود کے سامنے پیش کیا گیا۔ شاہ نے اپنے علماء کے سامنے یہ مقدمہ پیش کیا۔ انہوں نے الاربعین کی تائید کی اور امرتسری صاحب کو تائب ہونے کے لئے کہا۔

شیخ عبداللہ بن سلیمان آل بلیہد نے اپنی رائے اس انداز میں ظاہر کی:

”میں نے ان کو اہل حدیث اور اہل سنت کے مذہب و مسلک کی طرف، رجوع کرنے کی دعوت دی، مگر

باوجود ان باتوں کے انہوں نے اپنی غلطیوں پر اصرار کیا اور معاندانہ روش اختیار کی۔ (عبدالحق غزنوی، الاربعین لاہور پرنٹنگ پریس لاہور، ص ۴۳) (ترجمہ)

ریاض کے قاضی شیخ محمد بن عبداللطیف آل شیخ نے لکھا:

’’نہ تو مولوی ثناء اللہ سے علم حاصل کرنا جائز ہے اور نہ اس کی اقتداء جائز ہے اور نہ اس کی شہادت قبول کی جائے اور نہ اس سے کوئی بات روایت کی جائے اور نہ اس کی امامت صحیح ہے، میں نے اس پر حجت قائم کر دی، مگر وہ اپنی بات پر اڑا رہا۔ پس اس کے کفر اور مرتد ہونے میں شک نہیں۔ (عبدالعزیز، فیصلہ مکہ جمعیہ مرکزیہ اہل حدیث ہند لاہور، ص ۱۵)

مولوی عبدالاحد خانپوری، اہل حدیث لکھتے ہیں:

اور ثناء اللہ ملحد زندیق کا دین اللہ کا دین نہیں ہے۔ اس کا کچھ دین تو فلاسفہ دہریہ نمارده (نمرود کی جمع، بمعنی سرکش) صائبین کا ہے جو ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دشمن ہیں۔۔۔۔۔ اور کچھ دین اس کا ابوجہل کا ہے جو اس امت کا فرعون تھا بلکہ اس سے بھی بدتر ہے۔۔۔۔ پس وہ بحکم قرآن واجب القتل ہے۔

(عبدالاحد خانپوری، الفیصلۃ الحجازیۃ: امان سرحد برقی پریس راولپنڈی، ص ۸)

یہ سب اہل حدیث کے ذمہ دار اور مستند علماء کے فتویٰ ہیں، مگر موجودہ دور کے اہل حدیث کے نزدیک وہ مسلّم شیخ الاسلام ہیں:

’’اہل حدیث امرتسر کے نامور مدیر شیخ الاسلام حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ‘‘۔

(ظہیر، مرزائیت اور اسلام، ص ۱۴۸)

اب سوال یہ ہے کہ کیا امرتسری صاحب نے اپنے ان اقوال سے توبہ کر لی تھی جن کی بناء پر مذکورہ بالا فتوے لگائے گئے تھے اور اگر نہیں تو شیخ الاسلام کے معزز ترین لقب ہی کا پاس کیا ہوتا:

مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز

امرتسری صاحب مرزائیوں سے مناظرہ اور مقابلہ کرتے رہے، لیکن مرزائیوں کے بارے میں ان کا موقف کیا تھا؟ مولوی عبدالعزیز سیکرٹری جمعیۃ مرکزیہ اہل حدیث، ہند کی زبانی سنئے، مولوی ثناء اللہ امرتسری کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”آپ نے لاہوری مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھی آپ مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے فتویٰ دیا کہ مرزائیوں کے پیچھے نماز جائز ہے۔ اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں؟

آپ نے مرزائیوں کی عدالت میں مرزائی وکیل کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے مرزائیوں کو مسلمان مانا اس سے آپ خود مرزائی کیوں نہیں ہوئے؟ (ظہیر، مرزائیت اور اسلام، ص ۸)

اس کے باوجود اگر انہیں شیخ الاسلام قرار دینے پر اصرار ہے تو ہمیں بتایا جائے کہ وہ کونسا اسلام ہے؟ خدا رسول کا اسلام تو ہو نہیں سکتا۔

آخر میں برٹش گورنمنٹ کے بارے میں ان کا نظریہ بھی دیکھ لیجئے۔

غلام رسول مہر اہل حدیث لکھتے ہیں:

”۱۹۲۲ء میں ایک اجتماع کا انتظام ہوا اور اس میں مولانا ثناء اللہ مرحوم امرتسری بھی شریک تھے۔ وہ اہل حدیث کانفرنس کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے ہمیں کانفرنس کے اغراض ومقاصد دیئے، تو ان میں پہلی شق یہ تھی:

حکومت برطانیہ سے وفاداری

ہم نے عرض کیا کہ مولانا اسے تو نکال دیجئے۔ ہم ترک موالات کیے بیٹھے ہیں، تو وہ سخت غصے میں آگئے، لیکن اکثریت نے یہ شق نکلوادی۔ (غلام رسول مہرہ، افادات مہر، مرتبہ ڈاکٹر شیر بہادر پنی، ص ۲۳۶)

خیال فرمایا آپ نے حکومت برطانیہ کی وفاداری کس قدر عزیز تھی؟ اکثریت نے اگرچہ یہ شق نکلوادی، مگر امرتسری صاحب آخر تک اس شق کے حذف کرنے کو قبول نہ کر سکے، پھر اس شق کا نکلوا دینا بھی محل غور ہے، کیونکہ اس سے پہلے گزر چکا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے پندرھویں سالانہ اجلاس میں جو آگرہ میں منعقد ہوا تھا۔۔۔ قاضی محمد سلیمان منصور پوری نے اپنے خطبہ میں کانفرنس کا چھٹا مقصد حکومت کی وفاداری کو قرار دیا تھا۔

اجلی پیشانیاں

گزشتہ اوراق میں سید احمد بریلوی، شاہ اسمٰعیل دہلوی، میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن بھوپالی، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، قاضی محمد سلیمان منصور پوری اور مولانا ثناء اللہ امرتسری وغیرہ ہم زعماء اہل حدیث کے انگریزوں سے روابط ومراسم اور وفاداری کے عہد پیمان، نا قابل انکار شواہد اور حوالہ جات سے

بیان کئے گئے ہیں جن سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ان حضرات کی اجلی پیشانیوں اور درخشندہ جبینوں پر انگریز دشمنی کا داغ تک نہیں ہے۔ ان پر انگریز دشمنی کا الزام لگانے والا ان کا دشمن تو ہوسکتا ہے، خیر خواہ اور عقیدت مند ہرگز نہیں ہوسکتا۔

برٹش گورنمنٹ کے خطاب یافتگان

مولوی عبدالرحیم عظیم آبادی نے ’’الدر المنثور فی تراجم اہل صادقفور‘‘ میں حکومت برطانیہ سے شمس العلماء یا خان بہادر کا خطاب پانے والے جن علماء اہل حدیث کا ذکر کیا، ان کی فہرست پہلے ایڈیشن کے ٹائیٹل کے اندرونی صفحے پر دی ہے اور انگریزی حکومت کو گورنمنٹ عالیہ عادلہ کے القاب سے یاد کیا ہے اور حق شکر گزاری اس طرح ادا کیا ہے:

’’خاص کر فرقہ اہل حدیث کے لئے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ وہ بلا مزحمت اپنے تمام ارکان دینی ادا کریں) نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے، پس ان کا فرض مذہبی و منصبی دونوں ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع و فرماں بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ دعا گوئے سلطنت رہیں: تفکر و لاتکن من الغافلین۔

(عبدالرحیم عظیم آبادی، الدر المنثور، ہادی، المطابع، کلکتہ، پہلا ایڈیشن ٹائیٹل ص ۲)

(مطبوعہ کتاب کے) اگلے صفحے پر اس فہرست کا عکس ملاحظہ ہو، یاد رہے کہ یہ صرف وہ خطاب یافتہ اہل حدیث ہیں جن کا ذکر الدر المنثور میں ہوا ہے ورنہ تتبع اور تلاش سے یہ فہرست مزید طویل ہوسکتی ہے۔

ایقاظ

میں اس جگہ ایک فہرست ان حضرات کی لکھتا ہوں جنکے نام نامی اس تذکرہ میں درج ہوئے ہیں اور انکو ہماری گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے خطاب عطا ہوا ہے اور وہ کل سات ہیں پانچ ان میں سے وہ ہیں جنکو شمس العلماء کا خطاب مرحمت ہوا اور دو وہ ہیں جن کو خان بہادر کا خطاب بخشا گیا

وھو ھذہ

نمبر ۱۔ شمس العلماء جناب حضرت مولنا محمد سعید قدس سرہ ساکن محلّہ مغلپورہ شہر پٹنہ

نمبر ۲۔ شمس العلماء جناب حضرت مولنا محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ ساکن محلّہ صادق پور شہر پٹنہ

نمبر۳۔ شمس العلماء برادرم عزیز مولوی عبدالرؤف مرحوم و مغفور ساکن محلّہ صادقپور شہر پٹنہ

نمبر۴۔ شمس العلماء مولوی امجد علیہا سلمہ ام۔ اے پروفیسر سنٹرل کالج الہ آباد ساکن صادقپور پٹنہ

نمبر۵۔ شمس العلماء جناب حضرت مولنا محمد نذیر حسین مدظلہ محدث دہلوی ساکن سورج گڈھ ضلع مونگیر

نمبر۶۔ خان بہادر جناب قاضی سید محمد اجمل مرحوم ساکن قصبہ باڑھ ضلع پٹنہ

نمبر۷۔ خان بہادر جناب قاضی مولوی فرزند احمد سلمہ ساکن، گیا

چونکہ یہ خطابات بلاعوض کسی خدمت کے محض براہ شفقت و مہربانی خسروانہ و عنایت شاہانہ ہم مسلمان لوگوں کی عزت افزائی و قدر شناسی کے لئے گورنمنٹ عالیہ نے مرحمت فرمائے ہیں پس ہم سب مسلمانوں کو عموماً اور فرقہ اہل حدیث کو خصوصاً اور علی الخصوص خاندان صادقپور کو اس کا شکریہ قولاً و فعلاً ادا کرنا چاہیئے کیونکہ **الشکر یزید النعمة** ہم مسلمانوں کا فطرتی اور مذہبی شیوہ ہے کہ محسن کے احسان کا قولاً و فعلاً اعتراف کریں۔ جیسا کہ جناب سرور کائنات فخر موجودات رحمۃ للعالمین کا ارشاد ہے **لا یشکر اللہ من لا یشکر الناس** پھر کون مسلمان ہوگا جو اس پر عمل نہیں کرے گا۔ خاصط کر فرقہ اہلحدیث کے لئے تو کسی اسلامی سلطنت میں بھی یہ آزادی مذہبی (کہ بلامزاحمت اپنے تمام ارکان دینی ادا کریں) نصیب نہیں جو برٹش حکومت میں انہیں حاصل ہے۔ پس ان کا فرض مذہبی و منصبی دونوں ہے کہ وہ ایسی عادل اور مہربان گورنمنٹ کی مطیع و فرمان بردار رعایا ہوں اور ہمیشہ دعا گوئے سلطنت رہیں **فتد برو تفکرو لا تکن من الغافلین**۔

اس کتاب ''الدرالمنثور'' کی تالیف کے بعد مولوی محمد یوسف جعفری رنجور کو ۱۹۰۵ء میں شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

اندھیرے سے اُجالے تک

اور

شیشے کے گھر

ارباب علم وصحافت کی نظر میں

ترتیب

ممتاز احمد سرمدی

حضرت علامہ مولانا تقدس علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ

شیخ الجامعہ جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ، سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

محبِ محترم مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور، اہل سنت کی قابل قدر شخصیت ہیں، وہ اپنی ذات کو درس وتدریس، تالیف وتصنیف کے لیے وقف کر چکے ہیں، مولانا موصوف مصروف ترین اور ہمہ گیر شخصیت ہیں، متعدد درسی کتابوں کے تراجم اور حواشی لکھ چکے ہیں اور متعدد موضوعات پر ان کی تصانیف ان کے علم وفضل کا بین ثبوت ہیں، ایک عالم متقی ہونے کے ساتھ خاموش طبع بھی ہیں۔

زیرنظر کتاب اندھیرے سے اجالے تک میں مولانا نے اغیار کی ملمع کا پردہ چاک کر دیا اور اپنی شستہ تحریر میں حقائق کو واشگاف کر دیا اور ثابت کر دیا کہ امام احمد رضا اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ پر جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ بالکل بے سر پا اور غلط ہیں اور چلتی پھرتی روایتوں اور افواہوں کا بھی قلع قمع کر دیا اور انصاف کے دامن سے وابستہ رہے ہوئے ہر بات پر قول باحوالہ درج کر دیا۔

بہر حال مولانا نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے حقیقت میں اس کا حق ادا کر دیا ہے، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ بطفیل سید عالم ﷺ انہیں صحت وسلامتی کے ساتھ مسلک اہل سنت کی تبلیغ واشاعت کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

۲۴ جمادی الاولی ۱۴۰۸ھ فقیر تقدس علی قادری شیخ الجامعہ
۱۵ جنوری ۱۹۸۸ء جامعہ راشدیہ، پیر گوٹھ، خیر پور

افسوس کہ حضرت اقدس ۳؍ رجب المرجب ۲۲؍ فروری ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۸ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے رحمہ اللہ تعالےٰ رحمۃً پیر جو گوٹھ، ضلع خیر پور میرس سندھ میں آپ کا مزار ہے۔

غزالئ زماں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ تعالےٰ

(ملتان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی ونسلم علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین :

اعلیٰ حضرت مجدد ملت الامام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ اور مسلک اہل سنت کی طرف سے عامۃ المسلمین کو بدظن کرنے کی جو مہم معاندین کی طرف سے شکم پروری کی خاطر عرصہ دراز سے چلائی گئی اس کی بنیاد دروغ گوئی اور الزام تراشی کے سوا اور کچھ نہ تھی۔ جب وہ انتہائی کس مپرسی کی حالت میں مضمحل ہو کر دم توڑنے لگی تو اچانک سعودی خزانوں کے دھانے کھل گئے ریالوں کی بھرمار شروع ہوگئی۔ پھر کیا تھا یار لوگوں نے خوب ہاتھ رنگے اور شکم پروری کے اس موقع سے جی بھر کے فائدہ اُٹھانے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی ملک اور بیرون ملک اس مذموم مہم کو بڑی تیزی سے چلانا شروع کر دیا گیا۔ اس سعی نامسعود کا نتیجہ رسوائے زمانہ کتاب البریلویة ہے جس کے بد باطن مولف نے اعلیٰ حضرت پر جھوٹے الزام لگائے اور مسلک اہل سنت کو مسخ کر کے کفر وشرک اور بدعت وضلالت کی صورت میں پیش کیا حقائق ثابتہ کو دجل وفریب کے پردوں اور چمکتی ہوئی صداقتوں کو شکوک واوہام کی تاریکیوں میں چھپانے کی ناکام کوشش کی مگر بفحوائے ’’ہر فرعون راموسے‘‘ اللہ تعالےٰ کی توفیق سے فاضل جلیل حضرت مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری میدان میں آئے اور انہوں نے اس کے ردّ میں ’’اندھیرے سے اجالے تک‘‘ کتاب لکھی جو اسم بامسمّٰی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ فاضل مصنف نے مؤلف البریلویة کے مکرو فریب اور دجل کے تمام پردوں کو چاک کر دیا اور علم ویقین کے نور سے شکوک اوہام کی ظلمتوں کو نیست ونابود کر دیا ہے، اس کا جو حصہ سامنے آیا ہے اس کے پڑھنے سے یقیناً ایسا ہی محسوس ہوتا ہے کہ ہم اندھیرے سے اجالے تک پہنچ گئے۔ مصنف ممدوح نے نہایت خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ حقائق کو بے نقاب کیا ہے۔ مدلل اور مسکت جوابات دیئے ہیں، انتہائی سلیس اور پاکیزہ اندازِ بیاں ہے۔ تحقیق اور انصاف کی روشنی میں اگر یہ کتاب پڑھی جائے تو پڑھنے والا بیساختہ کہے گا حق یہی ہے جو ’’اندھیرے سے اجالے تک‘‘ کتاب کے مصنف نے لکھا۔

فاضل محترم مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری مستحق تحسین وآفرین ہیں کہ انہوں نے یہ بے نظیر کتاب لکھ کر حقائق کے چہروں سے نقاب اٹھا دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس تصنیف کو شرف قبول فرمائے اور انہیں ان خدمات کے لیے زندہ وسلامت رکھے۔ آمین۔

سید احمد سعید کاظمی، ۵؍رجب المرجب ۱۴۰۶ء

مطابق ۱۷؍مارچ ۱۹۸۶ء

(افسوس کہ حضرت غزالی زماں قدس سرہ ۲۵؍رمضان المبارک ۴ جون ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ رحمہ اللہ تعالےٰ ورضی عنہ)۔

حکیم محمد سعید دہلوی

ہمدرد منزل، کراچی ۵

محترم جناب محمد عبد الحکیم شرف قادری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی مرسلہ کتابیں (۱) اندھیرے سے اجالے تک (۲) حیات امام اہل سنت (۳) اُجالا (۴) امام احمد رضا بریلوی اپنوں اور غیروں کی نظر میں (۵) سلام رضا (۶) بہار شباب مع سوانح حیات (۷) قادیانی مرتد پر خدائی تلوار، ملیں۔

آپ کے ان تحائف کا شکریہ!

ساری کتابیں معلومات افزا ہیں اور ان سے فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں کے حالات وسوانح اور ان کے علمی کارناموں پر اچھے انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

دعا ہے کہ ان کتابوں کو قبول عام نصیب ہوا! آمین!

آپ کی اس کرم فرمائی کا شکریہ مکرر

امید ہے کہ مزاج بہ عافیت ہوگا۔

بہ احترامات فراواں

۷؍ذیقعد ۱۴۰۶ھ آپ کا مخلص

۱۵؍جولائی ۱۹۸۶ء حکیم محمد سعید

مولانا محمد احمد مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارکپور، انڈیا

’’اندھیرے سے اجالے تک‘‘ آپ کا عظیم جماعتی اور علمی وتاریخی کارنامہ ہے جسے دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔

اس کتاب کی چند خصوصیات ہیں:

۱۔ البریلویۃ (احسان الٰہی ظہیر) کے ہر الزام کا جواب بسط وشرح سے پیش کیا گیا ہے۔

۲۔ ہر موضوع سے متعلق امام احمد رضا کے حالات وخدمات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے جو بجائے خود ایک سوانحی خدمت ہے، جس کی روشنی میں الزامات خود ہی تارِ عنکبوت کی طرح اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس طرح یہ کتاب ایک مثبت تحقیق کی بھی حامل ہے۔

۳۔ البریلویۃ کے افتراءات کا جواب بڑی ہی بردباری، علمی متانت، عقلی سنجیدگی اور حوالوں کی پختگی کے ساتھ دیا گیا ہے، میری نظر میں یہ آپ کے قلم کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ ورنہ ظہیر نے جس عیاری و بے باکی کے ساتھ حقائق کو مسخ کرنے اور شخصیت کی مکروہ تصویر بنانے کی ناروا کوشش کی ہے وہ امام احمد رضا کے ہر معتقد قلم بنانے کے لیے کافی ہے۔

سو سال بلکہ زیادہ عرصہ سے قادیانی، رافضی، نیچری، غیر مقلد، دیوبندی سبھی فرقے امام احمد رضا کے سخت مخالف ہیں، لیکن مخالفت، تعصب اور عناد کے باوجود امام احمد رضا کی فقہی مہارت، غیر معمولی ذہانت، قوتِ تحریر اور مختلف علوم وفنون میں کمال کے معترف رہے ہیں۔ لیکن احسان الٰہی ظہیر وہ پہلا شخص ہے جسے عناد وتعصب میں اس مرتبۂ کمال تک ترقی ہوئی کہ امام احمد رضا کو ’’سیئی الحافظہ، غائب الدماغ‘‘ لکھا اور ان کی تصانیف کو ان کے متعلقین اور تلامذہ کا کارنامہ شمار کیا۔ آخر ان متعلقین اور تلامذہ نے امام احمد رضا کے بعد یا انکی زندگی ہی میں کوئی ایک ہی کتاب ان کے معیار کی لکھی ہوتی، ان کے لیے کون سا مانع تھا؟ جب وہ خود اپنے نام سے اپنی کتابیں شائع کرتے ہیں تو وہ بلندی فکر واستدلال نہیں ملتی جو امام احمد رضا کی کتابوں میں ہے۔

۴۔ اندھیرے سے اجالے تک کہ تمام حوالے انتہائی دیانت داری سے پیش کیے گئے ہیں اور جملہ مندرجات کے مآخذ موجود ہیں، جب کہ البریلویۃ میں بغیر کسی حوالہ کے امام رضا کے ابتدائی استاد مرزا غلام قادر بیگ بریلوی کو قادیانی کا بھائی بنا دیا ہے اور جگہ جگہ حوالے تو دیئے ہیں لیکن عبارت بالکل مختلف ہے، اصل میں کچھ ہے اور البریلویۃ میں کچھ۔

خدا کا شکر ہے کہ اہل سنت کے پاس حقائق ہی حقائق ہیں جن کا اجالا پھیلتے ہی اندھیرا غائب ہو جاتا ہے

اورمعاندکی پرتعصب کاوشِ فکروقلم خاک میں مل کررہ جاتی ہے۔

۵۔ آپ کی کتاب اس لحاظ سے بھی ممتاز ہے کہ استطر اد سے خالی ہے اوراعجاز وحسن بیان سے آراستہ ہے حوالے اوردلائل زیادہ ہیں اور بے ضرورت خامہ سائی بالکل نہیں۔

۶۔ کتاب کی کتابت اور تصحیح بھی بہت عمدہ ہے۔جب کہ اس زمانہ میں اکثر کتابیں، اغلاط کتابت کی خاصی مقدار لیے ہوتی ہیں، غالبًا پروف پرآپ کی بھی نظر گزری ہے۔

آپ نے اہل سنت کوایک عظیم فرض کفایہ سے سبکدوش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔رب کریم آپ کوہم تمام سینوں کی طرف سے اپنی شان کے لائق جزاؤں سے نوازے اوراس کتاب کے عربی ایڈیشن اوردیگر ابواب کی تکمیل کا سامان بھی احسن واکمل طور پر بہت جلد فرمائے۔

دوشنبہ

۴ ربیع النور۱۴۰۶ھ محمداحمد مصباحی بھیروی

۱۸ نومبر ۱۹۸۵ء رکن المجمع الاسلامی ،فیض العلوم محمد آباد، گوہنہ، اعظم گڑھ، یو، پی

پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل

گورنمنٹ ڈگری کالج ،ٹھٹھہ (سندھ)

نوازش نامہ اور تحفہ انیقہ موصول ہوئے۔آپ نے بڑی محنت کی اور تحقیق کا حق ادا کر دیا، جزاکم اللہ!۔۔۔مدلل، محقق، مختصر نگارشات دورجدید کا تقاضا ہیں، آپ نے اس تقاضے کوبحسن وخوبی پورا فرمایا، آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے۔مولیٰ تعالےٰ دارین میں اپنی رحمتوں سے مالا مال فرمائے آمین۔۔۔آپ جن حالات میں کام کر رہے ہیں، ان حالات میں اہل عزیمت ہی کام کرتے ہیں مولیٰ تعالےٰ آپ کو ہمت واستقامت عطا فرمائے آمین!

آپ ان ممتاز اہلِ قلم میں سے ایک ہیں جن سے فقیر استفادہ کرتا ہے۔آپ کی مساعی لائق تحسین و آفریں ہیں۔

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۴/ نومبر ۱۹۹۵ء

مولانا علامہ محمد اشرف سیالوی

شیخ الحدیث، سیال شریف

جناب کے مرسلہ دو عدد عطیے اندھیرے سے اجالے تک موصول ہوئے، بہت مستحسن کوشش ہے اور انتہائی محتاط انداز بیان۔ اللہ تعالےٰ مزید برکات سے بہرہ ور فرمائے اور خدمت دین قویم کی توفیقِ رفیق خیر رفیق۔

ملک شیر محمد خاں، کالا باغ

آپ کی ارسال کردہ کتاب موسومہ اندھیر سے اجالے تک موصول ہوئی، جس کے لیے اعماقِ قلب سے ممنون ہوں، میں اس کتاب کی طباعت کا منتظر تھا۔ کتاب موصول ہوتے ہی ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالی۔ فاضل مؤلف نے البریلویۃ کے تمام اعتراضات کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ انداز بیان دلکش، سنجیدہ اور مہذب ہے۔ فاضل مؤلف کے لیے بے ساختہ دل سے یہ دعا نکلتی ہے۔

ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

والسلام — خیر طلب
۲۴/ اکتوبر ۸۵ء — شیر محمد خاں

(افسوس کہ ملک صاحب ۱۳/ جمادی الثانیہ ۲۳/ فروری ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۶ء کو دار فانی سے رحلت فرما گئے۔)

مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

مولانا عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری

مترجم کتبِ حدیث۔۔۔لاہور

اندھیرے سے اجالے تک، ندائے یارسول اللہ اور مجموعہ رسائل متعلقہ ردّ روافض، یہ تینوں آپ کی نگار شات بغور دیکھیں اور دوران مطالعہ بار بار آپ کے لیے دل سے دعائیں نکلتی رہیں۔ جزاک اللہ فی الدارین خیراً۔

”علامہ“ احسان الٰہی ظہیر صاحب کے الزامات کا جس عالمانہ اور فاضلانہ شان سے بے سروپا ہونا ثابت

کیا ہے اور جس طرح مسکت جوابات دیے ہیں ان کے باعث آپ جملہ اہل سنت و جماعت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ اپنی اس کاوش اور سعی مشکور کے باعث آپ نے اپنے رضوی ہونے کا منہ بولتا ثبوت فراہم کردیا ہے۔

۳ر رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ اختر شاہجہان پوری مظہری

۱۳ر مئی ۱۹۸۶ء

پروفیسر محمد ارشد، لیکچرر شعبہ تاریخ

کیڈٹ کالج، حسن ابدال۔۔۔۔۔

چند دن پہلے آپ کی کتاب شیشے کے گھر دیکھنے کا اتفاق ہوا، اپنے موضوع پر بہت اچھی اور لائق تحسین کوشش ہے ، اندھیرے سے اجالے تک آپ کی دوسری نسبتاً زیادہ ضخیم کتاب بھی پڑھ چکا ہوں۔ البریلویۃ کا بہت چرچا سنا تھا، راقم الحروف کو عربی پر دسترس نہیں ہے۔ اس لیے خود تو اس کا مطالعہ نہ کرسکا تھا اب آپ کی کتاب اندھیرے سے اجالے تک نے جو اس فریب کا پردہ چاک کیا ہے تو معلوم ہوا کہ البریلویۃ کے مولف کتنی کھلی کھلی بدیانیتوں کے مرتکب ہوئے ہیں جو ایک عالم دین تو کیا ایک شریف انسان سے بھی متوقع نہیں ہوتیں۔

۳۰ جون ۱۹۸۶ء مخلص: محمد ارشد

علامہ اقبال احمد فاروقی، لاہور

غیر مقلدین کے خطیب و ادیب علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب نے اپنی بیمار عربی زبان میں البریلویۃ لکھ کر وادئ نجد کے نو کیلے ذہنوں کو خوش کر دیا تھا۔ اس کتاب کی غلط بیانیوں کو ہمارے فاضل دوست جناب مولانا محمد عبدالحکیم شرف نے اندھیرے سے اجالے تک میں آڑے ہاتھوں لیا، یہ کتاب نظریاتی افق پر ایک لطیف اجالا بکھیرتی ہوئی آئی۔

محمد عالم مختار حق ---- لاہور

اندھیرے سے اجالے تک کا کئی دن ہوئے مطالعہ کر چکا ہوں اور اس انتظار میں تھا کہ اس کا حصہ دوم بھی نظر نواز ہو تو مطالعہ کے بعد اپنی گزارشات پیش کروں، مگر دوسرا حصہ غالباً ابھی تک منصۂ شہود پر نہیں آیا۔ آپ نے جس انداز سے احسان الٰہی ظہیر صاحب کی رسوائے زمانہ کتاب البریلویۃ کا تعاقب کیا ہے میں اس پر ہدیۂ تبریک

پیش کرتا ہوں، آپ نے غنیم کے مورچوں کو ہی صرف تہس نہس نہیں کیا بلکہ دشمن کے علاقہ میں گھس کر اسے ہینڈز اپ کرنے پر مجبور کر دیا اور احسان الٰہی صاحب نے البریلویۃ میں اپنی عربی دانی کا جو قلعہ تعمیر کیا تھا اسے اسکے اندرونی دوستوں کی معاونت ہی سے منہدم کر دیا۔ میری مراد اس اسلحہ سے ہے جو آپ کو ہفت روزہ اہل حدیث کے شماروں سے ملا، اسے کہتے ہیں اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے، مگر میں سمجھتا ہوں سب سے بڑا کمال آپ کا یہ ہے کہ کتاب کی اندورنی شہادتوں سے آپ نے احسان صاحب کے مبلغ علم کو جو پول کھولا ہے اور اس طرح جو اسے زخم پہنچائے ہیں وہ مدتوں ان کو سہالتے رہیں گے۔ البتہ ایک بات کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کی کتاب میں بھی اردو میں بعض غلطیاں رہ گئی ہیں جن میں گو اکثر غلط العوام ہیں مگر فریق مخالف کے ہاتھ میں ایک ہتھیار تو آ سکتا ہے۔

۲۱ر جنوری ۸۶ء آپ کا محمد عالم

اراؤ سلطان مجاهد الطاهری

سینئر سول انجینئر۔۔۔اوکاڑا

آپ کی مختلف کتابیں نظر سے گزری ہیں، مرکزی مجلس رضا کی کتابیں بھی زیر مطالعہ رہی ہیں۔ ہمارے مسلک میں آپ ان مصنفین میں شمار کیے جاسکتے ہیں جن کی تحریریں ہلکے اور بازاری الفاظ سے مبرا ہیں، دراصل آج کے دور میں یہی تحریریں قابل قبول وستائش رہ گئی ہیں، آپ ایسے مصنفین ہمارے لیے قابل فخر سرمایہ ہیں، جن کی نگارشات ہر طبقہ میں پسند کی جائیں، پراثر ہوں۔ ہم نے صرف اپنا نقطہ نظر پیش کرنا ہوتا ہے، دوسروں پر بے جا تنقید اور بے مقصد حملے دراصل صحیح موقف کو کمزور کر دیتے ہیں اور پڑھے لکھے لوگوں میں یہ تحریریں آج کل نفرت کی علامت سمجھی جاتی ہیں، ماشاءاللہ! آپ کی تحریریں ان آلائشوں سے پاک ہیں، اللہ تعالےٰ نے یہ نعمت آپ کو دی ہے، اس کا شکر ہے اور آپ کو مبارک ہو۔

۹ر فروری ۸۶ء آپ کا اسلامی ساتھی

سلطان مجاہد الطاہری

سید محمد ریاست علی قادری

بانی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی

اندھیرے سے اجالے تک پوری کتاب کا ترجمہ کرنے کا ارادہ ہے اگر یہ کتاب جدید عربی میں ترجمہ ہوگئی تو بہت مفید ہوگی، یہاں بندوبست کرلیا ہے۔ آپ اپنی رائے سے مطلع کیجئے:

ماشاءاللہ! بہت خوب لکھی ہے، ہم تمام عقیدتمندان اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔

سید ریاست علی قادری

غلام مرتضٰی سعیدی

فروکہ۔۔۔ضلع سرگودھا

میری طرف سے اپنی بے نظیر تصنیف اندھیرے سے اجالے تک کی اشاعت پر مبارک باد قبول فرمایئے۔

بندہ ایک طالب علم اور انجمن طلباء اسلام کا ایک ادنیٰ سا رکن ہے۔ اس لیے جناب کے اس شہ پارے پر تبصرہ کرنا بندہ کے بس کی بات نہیں ہے مگر اتنا ضرور عرض ہے کہ آپ نے زبان زیادہ نرم استعمال کی ہے۔ شاید آپ کے اعلیٰ اخلاق کا ثمر ہو، مگر جو زبان البریلویۃ میں استعمال کی گئی ہے میرے خیال میں زبان ایسی ہی ہونی چاہیے تھی میں نے مذکورہ بالا کتاب نہیں پڑھی مگر جہاں کہیں آپ نے حوالہ جات نقل کیے ہیں تو اس عبارت کو پڑھ کر قلب و باطن میں اک آگ سی لگ جاتی ہے اور جواب دینے کی بجائے جی چاہتا ہے کہ اس دروغ گو کی زبان کاٹ دی جائے۔

غلام مرتضٰی سعیدی

(جرائد) احسان الٰھی ظھیر

سوال: کیا پاکستان میں بریلوی علماء کی طرف سے (البریلویۃ کے) جواب میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ؟

جواب: صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں دلیل کے ساتھ کوئی بات نہیں کی گئی تھی، محض دشنام طرازی سے کام لیا گیا تھا۔ مجھے اس پر حیرت بھی ہے کہ چار برس میں پورا عالم بریلویت میری اس کتاب کا جواب نہیں دے سکا ہے۔ حالانکہ ان میں بڑے بڑے مبشرات کے حاملین بھی شامل ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ انہیں بشارتیں

ملتی ہیں اور بہت سے ایسے تیس مار خاں بھی ان میں شامل ہیں جو سمجھتے ہیں کہ ان کے سامنے کسی دوسرے کا چراغ ہرگز نہیں جلتا کسی نے مجھے جواب دینے کی جرأت نہیں کی ہے۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور، شمارہ فروری ۱۹۸۷ء ص ۳۴)

مولانا ابو داؤد محمد صادق

سرپرست ماہنامہ رضائے مصطفٰے، گوجرانوالہ

جن پمفلٹوں کا ظہیر صاحب نے ذکر کیا ہے ان میں دشنام طرازی نہیں کی گئی بلکہ خود ان کی دشنام طرازی و غلط بیانی کو بطور نمونہ مشتے از خروارے بیان کیا گیا ہے لہٰذا انہیں چاہیے تھا کہ اگر ان (پمفلٹوں) کی ایک ہی غلط بیانی ہوتی تو اس کی بھی صفائی پیش کرتے یا اپنی غلطی کا اعتراف کرتے۔ مذکورہ پمفلٹوں کے جواب میں ان کی خاموشی نے ان کی ذات اور کتاب دونوں کو مشکوک و داغدار کر دیا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کا کھلم کھلا ردّ و جواب اس لیے شائع نہیں کیا گیا کہ اس کتاب پر پابندی کی خبر آ گئی تھی اور اس پر فرقہ وہابیہ نے سخت واویلا بھی کیا تھا لہٰذا ظاہر ہے کہ پابندی کی خبر کے بعد جواب کی اشاعت پر بھی اثر پڑتا۔

تیسری بات یہ ہے کہ کتاب البریلویۃ کے مختلف پہلوؤں کے ردّ میں مولانا عبدالحکیم شرف صاحب نے اندھیرے سے اجالے تک، شیشے کے گھر، ندائے یا رسول اللہ جیسے مختلف عنوانات سے جواب شائع کیا ہے جس میں محض دلیل و متانت سے گفتگو کی گئی ہے، معلوم نہیں ظہیر صاحب کی نظر سے مولانا شرف صاحب موصوف کی تصانیف کیوں نہیں گزریں؟ یا مصلحۃً انہوں نے ان کے ذکر سے چشم پوشی کی ہے، بہرحال یہ بھی ظہیر صاحب کی محض خوش فہمی و غلط بیانی ہے کہ ان کی مذکورہ کتاب کا جواب نہیں دیا گیا۔ (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ، لاہور شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء ص ۳۰۰)

الجواب۔ آئینہ میں چونکہ اپنی ہی صورت نظر آتی ہے اس لیے ظہیر صاحب کو اپنی دشنام طرازی کا جواب بھی دشنام طرازی کی صورت میں نظر آیا۔ بہتر ہوتا کہ ظہیر صاحب ’’چند پمفلٹ‘‘ کا نام بھی لکھ دیتے ’’قومی ڈائجسٹ‘‘ اور ’’رضائے مصطفٰے‘‘ کے قارئین کو وہ دیکھ کر ان کی سچائی کو پرکھنے کا موقع مل جاتا۔ اب ظہیر صاحب کو کھل کر یہ بتانا ہوگا کہ کیا؟

مجدّد الامّۃ: (مـن هـو احـمـد رضـا) علامہ شجاعت علی قادری کی ۲۱۶ صفحات کی عربی کتاب ’’پمفلٹ‘‘ ہے؟ اور کیا احسان الٰہی ظہیر نے اس کا جواب لکھا ہے؟

’’اندھیرے سے اجالے تک‘‘ فاضلِ محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ العالی کی ۲۷۸ صفحات کی کتاب ’’پمفلٹ‘‘ ہے؟ جس میں علامہ موصوف نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے جھوٹے الزامات کی دھجیاں بکھیر دی ہیں۔

’’شیشے کا گھر‘‘: علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی کتاب ’’پمفلٹ‘‘ ہے؟ جس میں فاضل محقق نے لکھا ہے کہ خود انگریز نوازی کا ’’اتنا کمزور اور نازک ماضی رکھنے کے باوجود غیر مقلدین (ظہیر وغیرہ) علماء اہل سنت پر انگریز نوازی کا جھوٹا اور بے بنیاد الزام لگاتے ہوئے نہیں شرماتے۔ ان پر شیشے کے مکان میں بیٹھ کر کلوخ اندازی کی مثال کس قدر صحیح صادق آتی ہے؟

شیشے کے گھر میں بیٹھ کر پتھر ہیں پھینکتے
دیوارِ آہنی پہ حماقت تو دیکھئے

’’ندائے یا رسول الله‘‘

(مسئلہ توسل واستغاثہ) علامہ موصوف کی ۱۲۸ صفحات کی یہ ایمان افروز شائع کردہ کتاب ’’پمفلٹ‘‘ ہے؟ جس میں مسئلہ نداء علم غیب اور توسل واستغاثہ پر مسلک اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو مدلل ومفصل بیان کرنے کے علاوہ ظہیر صاحب کو ان کے گھر کا آئینہ بھی دکھایا گیا ہے۔

مجموعه رسائل

(ردِ روافض) علامہ موصوف کی ۸۸ صفحات کی شائع کردہ کتاب ’’پمفلٹ‘‘ ہے؟ جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے شیعہ سے ہمنوائی کے بہتان کے پرخچے اڑائے گئے ہیں۔

مجموعه رسائل

(ردِ مرزائیت) علامہ موصوف کی ۱۱۶ صفحات کی شائع کردہ کتاب ’’پمفلٹ‘‘ ہے جس میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر ظہیر کے مرزائیوں سے بھائی چارے اور مرزا قادیانی کے بھائی کو اعلیٰ حضرت کا استاد قرار دینے پر ظہیر کی بے ایمانی وبدیانتی اور اس کی شقاوت وحماقت کا ردّ بلیغ فرمایا گیا ہے۔

نام نہاد

’’البریلویۃ‘‘ کے ردّ و جواب میں وسیع پیمانہ پر اس قدر تحقیقی تاریخی اور مدلل و مفصل شستہ و پاکیزہ علمی ذخیرہ کی اشاعت کے باوجود ظہیر صاحب کے اس بیان پر کہ نام نہاد ’’البریلویت‘‘ کے جواب میں ’’صرف چند پمفلٹ لکھے گئے ہیں‘‘۔ اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

الحاصل

ظہیر صاحب کے ایک ایک الزام و افتراء کے جواب میں پوری پوری کتاب کی اشاعت کے بعد صورت حال بدل چکی ہے اور اب مذکورہ کتب کا جواب الجواب اور اپنی کذب بیانی و بددیانتی کی صفائی پیش کرنا خود ان کے ذمہ ہے جیسا کہ فاضل محقق علامہ عبدالحکیم شرف قادری نے ان کی نشاندہی کی ہے۔

(مولانا ابوداؤد محمد صادق مدظلہ: ماہنامہ رضائے مصطفیٰ گوجرانوالہ، شمارہ مارچ ۱۹۸۷ء)

ماہنامہ جام عرفاں ، ہری پور

احسان الٰہی ظہیر صاحب نے البریلویۃ نامی ایک کتاب عربی میں لکھی ہے، جس میں بریلوی لوگوں کے مزعومہ و مفروضہ عقاید کی تردید کرنے کے علاوہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی کی ذاتِ والاصفات پر بھی رکیک حملے کیے گئے ہیں اور عجیب و غریب الزامات عائد کیے گئے ہیں۔ اس کتاب کی عربی پڑھ کر مجھے اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ان دنوں میں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا۔ بابوں اور ضمیروں سے کسی حد تک آگاہ ہو چکا تھا، مگر عربی لغات سے نا آشنا تھا ایک دن خانقاہ شریف کے مال خانے میں بھینس کی ایک بچی۔۔۔ جسے ہماری زبان میں ’’کٹی‘‘ کہا جاتا ہے۔۔۔ بندھی ہوئی تھی اور دم ہلا رہی تھی، سید محمود شاہ صاحب مدظلہ نے مجھ سے پوچھا کہ کٹی پوچھل ہلاندی اے (کٹی دم ہلاتی ہے) کی عربی کیا ہوگی؟ مجھے ’’نہ کٹی‘‘ کی عربی آتی تھی نہ ’’پوچھل‘‘ کی۔

اس لیے میں نے فی الفور کٹی کو عربی طریقے سے مونث کیا اور پوچھل کے ساتھ ضمیر لگائی اور کہا: الكتة تحرك پوچھلها ۔ شاہ صاحب اس عربی پر بہت ہنسے۔ اب بھی جب کبھی ہم دونوں عہد گزشتہ کی باتیں کر رہے ہوں تو اس واقعہ کو یاد کر کے خوب ہنستے ہیں۔

احسان صاحب کی اس کتاب میں بھی ایسی ہی عربی پائی جاتی ہے مثلاً ’’رسید‘‘ فارسی لفظ ہے۔ احسان

صاحب کو شاید اس کا عربی متبادل معلوم نہ تھا، اس لیے ''رسید'' کو ہی منتخب کر لیا، چنانچہ لکھتے ہیں:

فانهم اعطو اللعصاة البغاة رسيد الجنة (ص ۱۳۵)

اس طرح ''بوسہ'' بھی فارسی لفظ ہے۔ احسان صاحب نے اس سے ''**یبوس**'' بنالیا (صیغہ واحد مذکر غائب فعل مضارع معلوم، ملاحظہ ہو (ص ۱۳۸)

اس قسم کی اور بھی مثالیں پائی جاتی ہیں۔

علامہ شرف صاحب کی زیر نظر کتاب ۔۔اندھیرے سے اجالے تک ۔۔۔ احسان صاحب کی اسی کتاب البریلویۃ کا مسکت جواب ہے۔

بحیثیت مجموعی یہ ایک لاجواب کتاب ہے اور اس میں جو خالص بات ہے، وہ مصنف کی عالمانہ متانت ہے، جو کتاب کے صفحہ اوّل سے صفحہ آخر تک برقرار رہی، اور کہیں بھی جذباتی رنگ جھلکنے نہیں پاتا۔ بلاشبہ ایسی ہی کتابیں اہل علم میں قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور بلند پایہ لائبریریوں کی زینت بنتی ہیں۔

کتابت کی غلطیاں کہیں کہیں پائی جاتی ہیں، مثلاً مولانا رضا علی خان کے واقعہ کے بیان میں ''صورۃ'' کی جگہ ''سورۃ'' لکھا ہوا ہے، مگر اتنی ضخیم کتاب میں کتابت کی چند غلطیاں رہ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔ البتہ ۳۶۲ پر ایک مشہور شعر کو مولانا جامی کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے۔

نسبت خود بسگت کردم وبس منفعلم
زانکہ نسبت بسگِ کوئے تو شد بے ادبی

حالانکہ یہ شعر جان محمد قدسی کی اس مشہور عالم نعت کا ہے، جس کا مطلع ہے

مرحبا سید مکی مدنی العربی

اس غلطی کی اصلاح ضروری ہے

طباعت اور کاغذ نہایت معیاری

(تبصرہ نگار: قاضی عبدالدائم دائم ماہنامہ جام عرفان، ھری پور)

(شمارہ اکتوبر ۱۹۸۶ء ص ۴۸-۴۶)

نوٹ: اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں امکانی حد تک غلطیوں کی اصلاح کر دی گئی ہے جن جن

حضرات نے اغلاط کی نشاندہی فرمائی مصنف ان کے شکرگزار ہیں ۱۲ اسد یدی،

شیشے کے گھر

حضرت ابو الحسن زید فاروقی مد ظلہ

خانقاہ نقشبندیہ، مجددیہ، دھلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیک ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی تازہ تالیفِ لطیف شیشے کے گھر شنبہ ۲۸ رمضان ۷ جون کو دو نسخے ڈاک سے ملے۔ آپ نے اچھا نام تجویز کیا ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو اجر دے۔ ذ ادك الله فى العلم بسطة۔

اس قسم کے علمی جواہر پارے وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہیں۔ اللہ تعالےٰ اہل سنت و جماعت کی شوکت میں اضافہ فرمائے۔ آپ دارین میں عافیت سے رہیں۔

جمعہ ۵ شوال ۱۴۰۶ھ والسلام
۱۳ جون ۱۹۸۶ء زید ابو الحسن فاروقی

حکیم محمود احمد برکاتی

۱۲۹۸ ے، لیاقت آباد نمبر ۴، کراچی ۱۹

شیشے کا گھر ملا، خوب ہے، بڑی محنت کی ہے آپ نے، مگر بڑا کام ہو گیا، اہل حدیث حضرات کی سرگرمیاں عہد ضیائی میں تیز تر ہوگئی ہیں اور پراسرار بھی ہیں، اس فرقے کی تاریخ قبل غدر سے ملت دشمنی اور انگریز دوستی کی تاریخ ہے۔۔۔ حکم صاحب محترم (حضرت حکیم نصیر الدین، کراچی) کو بھی ان کا نسخہ پہنچا دیا ہے۔۔۔ اللہ کرے آپ بخیر و عافیت ہوں۔

خاکسار

۲۰ جولائی ۸۶ محمود احمد برکاتی

مولانا نور احمد فریدی

قصر الادب ۹۱۔ رائٹرز کالونی، ملتان

مرسلہ کتاب شیشے کا گھر موصول ہوئی، مناظرین کے لیے نہایت عمدہ کتاب ہے، اس کی تدوین میں خاصی محنت کی گئی ہے، میں نے شروع سے اخیر تک پڑھا اور کتاب اپنی جامع مسجد کے امام صاحب کو دے دی۔

۲۶ جون ۱۹۸۶ء

حکیم محمد حسین بدؔر چشتی

ڈیرہ نواب صاحب، بہاولپور

مرکزی مجلس رضا کی نئی اشاعت شیشے کے گھر موصول ہوگئی ہے، بہترین تحقیقی کوشش ہے، جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری مبارکباد کے مستحق ہیں۔ آپ ازراہ کرم اس کتاب کی دس کاپیاں مجھے بھوائیں میں نے اپنے بعض محسنین کو روانہ کرنی ہیں۔

والسلام

نیازکیش: محمد حسین بدؔر چشتی

(افسوس کہ حکیم صاحب موصوف ۲ صفر المظفر مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۳۰۷ھ/۱۹۸۶ء کو دارِ فانی سے رحلت فرما گئے رحمۃ اللہ تعالیٰ)

روزنامہ امن، کراچی

مجلس رضا کراچی نے امام اہل سنت مولانا شاہ رضا کی تعلیمات وخدمات دینی وعلمی پر مبنی مطبوعات کا ایک سلسلہ جاری کیا ہوا ہے۔ جس کی یہ نویں اشاعت ہے جس میں اکابر اہل حدیث کی مستند کتابوں کے اقتباسات کے حوالوں سے ان الزامات کی تردید کی گئی ہے کہ علمائے اہل سنت (مقلدین) انگریزی حکومت کے کبھی وفادار رہے ہوں یا انہوں نے سامراجی استبداد کو قبول کیا ہو۔

تاریخی حوالوں سے ثابت کیا گیا کہ برصغیر میں انگریزوں کی آمد بقول مولوی بشیر احمد دیوبندی "ہندوستان میں انگریز کی حکمرانی سے قبل اس گروہ (غیر مقلد) کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ اس فرقہ کا ظہور انگریز کی چشم التفات کا رہین منت ہے"۔ عقائد سے متعلق اور برٹش سرکار سے روابط کے سلسلے میں شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز محدث، سید احمد بریلوی، شاہ اسماعیل، مولوی محمد حسین بٹالوی، نواب صدیق حسن، ڈپٹی نذیر احمد، مولانا اشرف علی تھانوی، مولوی ثناء

اللہ امرتسری، مولانا غلام رسول مہر اور بہت سے زعماو علما کی تحریروں کے اقتباس شامل کیے گئے ہیں۔ دراصل یہ کتاب ان کتابوں یا مضامین کے جواب میں مرتب کی گئی ہے جو علمائے اہل حدیث کی جانب سے متنازعہ موضوعات پر شائع ہوئی ہیں۔

ہمارے خیال میں امتِ مسلمہ آج جن حالات سے گزر رہی ہے اسے سیاسی سے زیادہ مذہبی ہم آہنگی کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے عقائد چھیڑے بغیر اپنے عقائد کا اظہار و ابلاغ مناسب ہوگا۔ ورنہ اس پریشان کن ماحول میں فریقین کے اکابرین کو ہدف ملامت بنا کر امت مسلمہ کو مزید نفاق کی راہ پر لگانا ہے جو معروضی صورتحال میں مناسب نہ ہوگا جبکہ عام آدمی سے قطع نظر اہل علم وفکر اور مختلف مسالک کے طلباء کی نظر سے ماضی میں جو کچھ ہوا وہ پوشیدہ نہیں ایسے مباحث منافرت سے زیادہ مناقشوں اور مجادلوں کا باعث بن سکتے ہیں۔ لیکن یہ جبھی ممکن ہے کہ فریقین پہل کرنے سے احتراز کریں ورنہ جواباً زلزلہ اور شیشے کے گھر’’ جیسی کتابیں منظر عام پر آتی رہیں گی۔ تاہم یہ خوشی ہے کہ مولف نے روایتی جارحیت کے بجائے عالمانہ شائستگی، استدلال علمی اور آدابِ قلم ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اقتباسات کے ذریعہ التزامی رویئے سے کام لیا ہے۔

(تبصرہ نگار: عاقل بریلوی)

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی

بعض بدنہاد اور نافرجام لوگوں نے اختلاف اور انتشار پھیلانے کے لیے کتابیں لکھی ہیں اور ان کے عزائم مشؤمہ سے ہماری تحریک (اتحاد) کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ لاحق ہوا ہے۔ مگر ان کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں کو بے نقاب کرنے کے لیے ’’اندھیرے سے اجالے تک‘‘ اور ’’شیشے کے گھر‘‘ جیسی تالیفات نے متلاشیان حق کے لیے کافی مواد فراہم کر دیا ہے اور قارئین کو بتا دیا ہے کہ کتاب وسنت میں کفار و منافقین کی بابت واضح اشارات کو شمع رسالت کے پروانوں پر چسپاں نہیں کیا جا سکتا ہے۔

(اتحاد بین المسلمین حصہ دوم ص ۱۸ مکتبہ رضویہ، لاہور جنوری ۱۹۸۸ء)

ہفت روزہ الہام، بہاولپور

۷؍جون ۱۹۸۶ء

مولانا احمد رضا خاں پر مدت سے الزام لگایا جا رہا ہے کہ وہ انگریزوں کے کاسہ لیس اور ان کی حکومت کے

حامی تھے، لیکن آج تک کوئی مائی کا لال ان کی تحریر وتقریر سے یہ ثابت نہ کرسکا، اس کے برعکس اہل حدیث حضرات جو پہلے وہابیت سے مقلب کئے جاتے تھے اور مسلمہ طور پر سرکار پرست اور انگریزی حکومت کے مداح اور بہی خواہ رہے ہیں، اپنی تمام سابقہ روایات کو چھپا کر اہل سنت اور امام احمد رضا خاں بریلوی پر انگریز نوازی کا اتہام عائد کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے۔

زیر نظر کتاب میں ان کو آئینہ دکھایا ہے اور ان کی تحریروں اور کتابوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ انگریزی حکومت کی کاسہ لیسی کا طعنہ دینے والے خود سب سے بڑے انگریزی حکومت نواز رہے ہیں، ''شیشے کے گھر'' میں نواب صدیق حسن خاں سے لے کر مولوی محمد حسین بٹالوی کی تحریروں تک بے شمار ایسے شواہد پیش کئے ہیں کہ غیر مقلدین کا انگریز پرست ہونا قطعی ظاہر ہے، ان کا یہ کہنا کہ ان کے اکابر نے جہاد آزادی میں بے شمار قربانیاں دیں، جھوٹ کا پلندہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ ان حجرات نے مجاہدین آزادی کو سر پھرا اور بیوقوف گردانا ہے۔

محمد عبدالحکیم شرف قادری بڑے محتاط صاحب قلم ہیں، تحقیق وتاریخ پر ان کی گہری نظر ہے، باقی دیگر تصانیف میں بھی یہ پہلو ہمیشہ پیش نظر رہا ہے اور شیشے کے گھر میں بھی انہوں نے یہی طریق استعمال کیا ہے جو لوگ شیشے کے گھر میں بیٹھ کر دوسروں پر سنگ زنی کرتے ہیں انہیں پہلے اپنے گھر کا جائزہ لینا چاہئے۔